آفتابِ داغ

دیوان دوم



جہان اُستاد فصیح الملک
نواب مرزا خان داغ دہلوی

قیمت

دو روپے

ناشر

نسیم بکڈپو۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ

ٹیلیفون------۴۵۵۹

ناشر:- عزیز الرحمٰن

پرنٹر:- سرفراز قومی پریس لکھنؤ

دیباچہ

گلزار داغ سنہ ۱۸۷۸ء میں طبع ہوا جو داغ کا پہلا دیوان تھا، اس کے بعد کا کلام داغ نے جمع کر کے سنہ ۱۸۸۲ء میں آفتاب داغ کے نام سے مرتب کر کے مطبع کو دیدیا تھا جس کی کتابت و طباعت میں بڑی تاخیر ہوئی چنانچہ اس کے بعد جو غزلیں ہوتی گئیں وہ بھی مطبع کو بھجوائی جاتی رہیں بالآخر سنہ ۱۸۸۴ء میں آفتاب داغ مطبع سے طلوع ہوا، جسے منشی تیغ بہادر نے مطبع انوار الاخبار واقع سڑک جدید شہر لکھنؤ سے شائع کیا تھا، بدنصیبی سے یہ اڈیشن مجھے نہ مل سکا میرے پیش نظر ایک دیوان مطبع انوار محمدی لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے. جو سنہ ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوا ہے اور تیرہ سطری مسطر کے ۱۳۶ صفحات پر شائع ہوا تھا جن میں مردّف غزلیات ہیں اور آخر میں چھ غزلوں کا اضافہ یہ لکھ کر کیا گیا ہے کہ یہ غزلیں بعد طبع دیوان کے ملیں اس طرح کل ۱۱۴ غزلیں ہیں مگر منشی تیغ بہادر والے سنہ ۱۸۸۵ء کے طبع شدہ دیوان میں (۱۲۹) ہیں کیونکہ اسی مطبع کا سنہ ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء کا مطبوعہ نسخہ جو طبع ثانی ہے یا ثالث میرے پاس موجود ہے، چونکہ یہ بہت ہی غلط چھپا ہے اس لئے مختلف نسخوں سے میں نے اس کی تصحیح کی ہے مگر جب ہر نسخہ صحت سے زیادہ غلطیوں پر مشتمل پایا تو تنگ ہو کر میں نے پورا دیوان اپنے ہاتھ سے بعد تصحیح نقل کیا، جو شائع کیا جا رہا ہے۔

یہ کلام سنہ ۱۸۷۸ء سے سنہ ۱۸۸۲ء تک یعنی چار سال کا کلام ہے، یہ چار

سال داغ نے بہت مصروف گزارے ہیں دو سال تو انہوں نے عاشقی کی نذر کردئے اور پھر سفر بھی کیا اور دوسری مصروفیات بھی رہیں اسی طرح یہ تبرکات بس چکھنے ہی کے کام کے رہ گئے ہیں لذت کام ودہن اس سے حاصل نہیں ہوسکتی۔

گلزارداغ کی طرح آفتاب داغ بھی اپنی کم مائیگی اور کم مقداری کا گواہ ہے اور اس کے وجوہ بھی راز ہی میں ہیں، دیوان اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس میں ردیف دار غزلیں ہوں اور ردیفیں مکمل ہوں، بدنصیبی سے آفتاب داغ میں ردیفیں بھی مکمل نہیں ہیں، الف، با، تا کے بعد دال اور پھر را اور پھر میم نون، واؤ، اور یا پر دیوان ختم ہوجاتا ہے، اس طرح صرف (۹) ردیفیں مکمل ہوئی ہیں، غالباً یہ ہنگامی اڈیشن داغ نے تقاضا کرنے والوں کو خوش کرنے کے لئے نکال دیا تھا اس میں (۱۲۹) غزلیں ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد (۱۷۵۶) ہوتی ہے، متفرقات ہیں ہی نہیں صرف (۸) رباعیاں ہیں جنہیں ہم نے متفرقات داغ میں شریک کردیا ہے اور صرف غزلیات پیش کی جارہی ہیں،

انشاءاللہ تعالیٰ مہتاب داغ سے داغ پسندوں کی خاطر جمع ہوگی جو داغ کی شاعری کے وسطی دور کا کلام ہے۔ فقط

حیدرآباد دکن ۲

(آندھرا پردیش)

۱۴ر جون ۵۹ء

تمکین کاظمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الف

اللہ رے مرتبہ مرے عجز و نیاز کا
گویا جواب ہے یہ ترے کبر و ناز کا

دے مجھ کو داغِ عشق کہ احسان مان لوں
اس دردِ جاں فزا و غمِ دل نواز کا

کھا کھا کے رشک غیر شہیدانِ عشق سے
غم کھا نہ جائے خضر کو عمرِ دراز کا

بگڑے ہوئے بھی تیغِ حقیقت کے زخم زخم
ہنس ہنس کے منھ چڑھاتے ہیں عشقِ مجاز کا

گو مہرِ لب ہے حکم ترا اس کا کیا علاج
دل بولتا ہے خود بخود آگاہ راز کا

عالم تمام چشمِ حقیقت نگر بنا
منھ دیکھتا ہے آئینہ آئینہ ساز کا

یوسف کو چاہ میں تو مسیحا کو چرخ پر
عالم دکھا دیا ہے نشیب و فراز کا

ہر چند راہِ کعبہ و بت خانہ ایک ہے
اے راہ رو! ہے کام یہاں امتیاز کا

جل جل کے تیرے عشق میں گھل جائیں استخواں
مانند شمع لطف ہے سوز و گداز کا

ناکامیِ دوام بھی ہو عشقِ جاوداں
ایسا اسیر ہوں ہوس حرص و آز کا

دنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رے کرم
کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

رتبے سے میرے قیصر و سنجر کو رتبہ کیا
میں ہوں غلام شاہِ عراق و حجاز کا

مجھ کو نہ کیونکر اس کی غلامی پہ فخر ہو
محمود ایک بردہ ہے جس کے ایاز کا

کونین جس کے ناز سے چکرا رہے ہیں داغ
میں ہوں نیاز مند اسی بے نیاز کا

تو جو اللہ کا محبوب ہوا خوب ہوا — یا نبی خوب ہوا خوب ہوا خوب ہوا

شبِ معراج یہ کہتے تھے فرشتے باہم — سخن طالب و مطلوب ہوا خوب ہوا

اے شہنشاہ رسل فخر رسل ختم رسل — خوب سے خوب خوش اسلوب ہوا خوب ہوا

حشر میں امت عاصی کا ٹھکانا ہی نہ تھا — بخشوانا تجھے مرغوب ہوا خوب ہوا

حسن یوسف میں ترا نور تھا اے نور خدا — چارۂ دیدۂ یعقوب ہوا خوب ہوا

تھے سبھی پیش نظر معرکہ کرب و بلا — صبر میں ثانیٔ ایوب ہوا خوب ہوا

فخر آدم کو نہ ہوتا جو فرشتہ ہوتا — نبی آدم سے جو منسوب ہوا خوب ہوا

داغ ہو روز قیامت مری شرم اسکے ہاتھ
میں گناہوں سے جو محجوب ہوا خوب ہوا

عیب نکلا جو ہنر پیدا کیا — ہم نے کھویا جس قدر پیدا کیا

جس نے مضمون کمر پیدا کیا — اس نے ناپیدا مگر پیدا کیا

کھوئے دیتا ہے مجھے دنیا سے وہ — جس کو میں نے ڈھونڈھ کر پیدا کیا

اہل جنت کو بھی آیا اُس سے رشک — جس کسی نے دل میں گھر پیدا کیا

اے زہے سرمایۂ رنج و الم — ہم نے جس کو عمر بھر پیدا کیا

آسماں تو آسماں ہی رہ گیا — نام تو نے فتنہ گر پیدا کیا

داغ کھائے فرقت اغیار کے — تم نے میرا سا جگر پیدا کیا

شرم ہے پیدا کئے کی اسکے ہاتھ — جس نے مجھ کو بے ہنر پیدا کیا

عشق نے کیا کیا دکھائے شعبدے — دل ادھر کھویا اُدھر پیدا کیا

چٹکیاں لینے لگا کچھ دل میں درد — عشق نے کم کم اثر پیدا کیا

ہائے رے میں واہ کیا کہنا مرا — رنج ان کو چھیڑ کر پیدا کیا

مدعا یہ تھا کہ ہم دیکھیں تجھے — دیدہ نہ کیوں نورِ نظر پیدا کیا

جینے دیتا کس کو داغِ روسیاہ
پر خدا نے دیکھ کر پیدا کیا

تیرے قدم سے عرش بنے دوشِ نقشِ پا — صلِ علیٰ کہے لبِ خاموشِ نقشِ پا
بھردے اگر قدم سے وہ آغوشِ نقشِ پا — بھولا سمائے پھر نہ تن و توشِ نقشِ پا
شور اُس خرامِ ناز کا محشر سے بڑھ گیا — کیا گوشِ خلق پھوٹ گئے گوشِ نقشِ پا
پھرتے ہیں بے قرار بہت تیری راہ میں — کہتا ہے صاف صاف یہی جوشِ نقشِ پا
کیا سرزمینِ کوچۂ قاتل ہے فتنہ خیز — اڑنے لگے ہوا کی طرح ہوشِ نقشِ پا
بچتے ہیں خاکسار سے سب اہلِ آبرو — دیکھا نہیں حباب کو سرپوشِ نقشِ پا
ہم خاک بوسہ لیں کہ تیری رہگذار ہیں — ہتے چڑھے صبا کے تن و توشِ نقشِ پا
افتادگی میں کوئی سہارا انہیں مجھے — معراج ہو جو ہاتھ لگے دوشِ نقشِ پا
اس رہگذر کا ناصحِ مشفق نہ ذکر کر — یاد آ نہ جائے شکلِ فراموشِ نقشِ پا
دشتِ جنوں میں قیس کا پیرو ہوا ہوں میں — کانٹوں پہ کھینچتا ہے مجھے جوشِ نقشِ پا
افتادگانِ خاک کا رتبہ تو دیکھئے — بادِ صبا ہے غاشیہ بردوشِ نقشِ پا
لازم ہے یوں مسافرِ راہِ عدم چلے — جیسے سبک رواں و سبکدوشِ نقشِ پا
ملجائیں آسمان و زمیں کوئے غیر میں — بن جائے ہر ستارہ دُرِ گوشِ نقشِ پا
محشر میں بھی وہ فتنے نہ دیکھیں گے اہلِ حشر — جو دیکھتے ہیں آپ کے مدہوشِ نقشِ پا
تم شوخیوں سے پاؤں تو رکھو زمین پر — کھل کھیلتے ہیں اب لبِ خاموشِ نقشِ پا

روندی نہیں ہے آپ نے کیا قبر داغ کی
پھولوں کی چادروں سے چھپا جوشِ نقشِ پا

دیکھو جو مسکرا کے تم آغوشِ نقشِ پا — گستاخیاں کرے لبِ خاموشِ نقشِ پا
کس کے خرام سے یہ اُڑے ہوشِ نقشِ پا — بیٹھی ہوئی ہے مجلسِ خاموشِ نقشِ پا

آسودگانِ خاک کی کہتا وہ سرگذشت
رکھتا نہیں زبان مگر گوشِ نقشِ پا

ہے خار خارِ حسرتِ افتاد کی غذا
بے نیش کے نہیں ہے خورد نوشِ نقشِ پا

رٹ جائے گا مگر نہ کھلے گا یہ اے صبا
غنچہ کا منھ نہیں لبِ خاموشِ نقشِ پا

رکھوں قدم جو غیر کے نقشِ قدم پہ میں
انگشتِ پا مروڑ سے وہیں گوشِ نقشِ پا

آسودگانِ خاک کی آنکھوں کے ہیں نشاں
تیری گلی میں اور ہیولیوں جوشِ نقشِ پا

پائی مرے سراغ سے دشمن نے راہِ دوست
اے بیخودی مجھے نہ رہا ہوشِ نقشِ پا

کس طرح غیر اسکے قدم پر قدم دھریں
میرا نشان سجدہ ہے روپوشِ نقشِ پا

میں خاکسارِ عشق ہوں آگاہِ رازِ عشق
میری زبان سے حال سنے گوشِ نقشِ پا

آئے بھی وہ چلے بھی گئے میری راہ سے
میں نامراد و والہ و مدہوشِ نقشِ پا

مجھ ناتواں کی خاک کو پامالیوں کے بعد
دوشِ صبا ملا جو چھٹا دوشِ نقشِ پا

ٹوٹا ہے ہار راہ میں کس مستِ ناز کا
ہے غنچہ موتیا کا دُرِ گوشِ نقشِ پا

رکھا قدم نہ بھول کے بھی میری قبر پہ
اے کوچہ گرد وعدہ فراموشِ نقشِ پا

یہ کون میرے کوچے سے چھپ کر نکل گیا
خالی نہیں ہے فتنوں سے آغوشِ نقشِ پا

ملتے ہیں خاکسار گلے خاکسار سے
ہوتا ہے نقشِ پا بھی ہم آغوشِ نقشِ پا

یہ داغؔ کی تو خاک نہیں کوئے یار میں
اک تشنۂ وصال ہے آغوشِ نقشِ پا

چل رہا ہے خنجرِ فولاد کیا
اسکے ہتھے چڑھ گئی بیداد کیا

میں نویدِ وصل سن کر مر گیا
نامبارک تھی مبارک باد کیا

جل کے پھینکا تو نے کیوں آئینہ رو
آگ تھا آئینۂ فولاد کیا

حسنِ شیریں پر جو ہے لیلیٰ کو ناز
قیس بھی ہو جائیگا فرہاد کیا

کسطرح سے اسکے دلمیں گھر کروں
جب زمیں قائم نہ ہو بنیاد کیا

تیرے کوچے میں بپا ہے حشر کیوں — ہو گیا خالی عدم آباد کیا

ان کی صورت دیکھتے رہتے ہیں ہم — دیکھیے کس وقت ہو ارشاد کیا

اپنے دل پر ظلم جو کرتے ہیں ہم — ہو سکے گی تجھ سے وہ بیداد کیا

دل میں طاقت ہو تو سب کچھ ہو سکے — عرش تک جاتی نہیں فریاد کیا

کر لیا رنگِ حنا نے دل اسیر — آپ کی مٹھی میں ہے صیاد کیا

باعثِ گریہ نہ پوچھ اے ہم نشیں — کیا کہوں میں آ گیا تھا یاد کیا

فصلِ گل میں کیوں ہو بلبل نغمہ سنج — آپ اپنے منہ مبارک باد کیا

داغ شب کو زہر کھا کر مر گیا
لو اٹھو بیٹھے ہوئے ہو شاد کیا

ایک ہی رنگ ہے سب کا یہ تماشا کیسا — کوئی کیسا ہے کوئی چاہنے والا کیسا

روئے ہم پاس میں اس رنگ کا رونا کیسا — پانی ہو ہو کے بہا خونِ تمنا کیسا

عرصۂ حشر میں انصاف ہمارا کیسا — دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا

بخشدے اس بتِ سفاک کو اے داورِ حشر — خون ہی مجھ میں نہ تھا خون کا دعوا کیسا

ڈھونڈھتے پھرتے ہو بازار میں ہم کیا دینگے — مفت ہاتھ آئے تو فرماؤ وہ سودا کیسا

وہی جنت ہے جو وحشت میں کہیں دل بہلے — لوگ صحرا کے لیئے پھرتے ہیں صحرا کیسا

نیند آئی ہے بڑی رات گئے آئے ہو — سرخ آنکھوں میں بھلا نشۂ صہبا کیسا

ڈوبتے ہیں عرقِ شرم میں غیرت والے — ڈوب مرنے ہی یہ جب آئے تو دریا کیسا

نامہ بر تو نے بھی دیکھا ہے اسے سچ کہنا — گات کیسی ہے پہن کیسی ہے نقشا کیسا

خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں تو ظاہر نہ کریں — لوگ کرتے ہیں بڑی بات کا چرچا کیسا

تیرے قربان کوئی دم یہی تکرار رہے — دل ہمارا ہے ہمارا ہے تمہارا کیسا

دیکھتے ہو طرفِ سنگِ در آتے جاتے — مجھ کو دیکھو کہ ہوا ناصیہ فرسا کیسا

قیس و فرہاد کے قصے تو سنا کرتے تھے
داد دو اس کی کہ ہم نے تمہیں چاہا کیسا

ہم حقیقت میں سمجھتے ہیں اسے تکیہ کلام
آپ دل لے کے کہیں جائیے کیسا کیسا

غیر کے غم میں وہ خاموش تھے میں نے پوچھا
جی ہے کیسا تو کہا تیرا کلیجا کیسا

تم سلامت رہو ہر روز قیامت ہوگی
ہم بھی دیکھیں گے تماشے پہ تماشا کیسا

مجھ کو یہ شکوہ کہ اقرار وفا جھوٹا تھا
ان کو یہ ناز کیا ہم نے یہ وعدہ کیسا

جاں نثاروں کو نہ دکھایا یہ بہانہ رکھ کر
جان پر کھیلنے والوں کا تماشا کیسا

اے قیامت تجھے کیا آنکھ اٹھا کر دیکھوں
بس رہا ہے مری آنکھوں میں تماشا کیسا

مجھ سے بھی دل نہ لیا غیر سے بھی جان نہ لی
آ گیا ہے یہ تمہیں اپنا پرایا کیسا

غیر کا ذکر وفا اور ہمارے آگے
داغ اس بات سے جلتا ہے کلیجا کیسا

تو ہی اپنے ہاتھ سے جب دلربا جاتا رہا
دل کی بھی پروا نہیں جاتا رہا جاتا رہا

جس توقع پر تھی اپنی زندگی وہ مٹ گئی
جو بھروسا تھا ہمیں وہ آسرا جاتا رہا

میں نے دیکھا ان کی زلفوں کو تو فرمانے لگے
آپ کا دل کھل پڑا گم ہو گیا جاتا رہا

دل چرا کر آپ تو بیٹھے ہوئے ہیں چین سے
ڈھونڈھنے والے سے پوچھے کوئی کیا جاتا رہا

مرگ دشمن کا زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال
دشمنی کا لطف شکووں کا مزا جاتا رہا

ہو سکے مطلب نگاری کیا پریشاں طبع سے
ذہن میں آتے ہی حرف مدعا جاتا رہا

اچھی صورت کی رہا کرتی ہے اکثر تاک جھانک
رہ گئیں آنکھیں مگر وہ دیکھنا جاتا رہا

دیکھو دیکھو مجھ پہ برسائے رہو تیر نگاہ
صید جس دم آنکھ سے اوجھل ہوا جاتا رہا

کس قدر ان کو فراق غیر کا افسوس ہے
ہاتھ ملتے ملتے سب رنگ حنا جاتا رہا

حرص دامن گیر دنیا مال دنیا بے ثبات
جس قدر حاصل کیا اس سے سوا جاتا رہا

اب کئی دن سے وہ رسم و راہ بھی موقوف ہے
ورنہ برسوں نامہ بر آتا رہا جاتا رہا

داغ کچھ درہم نہ تھا جس کا نہیں ہوا ملال
ہو گیا گم ہو گیا جاتا رہا جب تار ہا

غیر کو منہ لگا کے دیکھ لیا
جھوٹ سچ آزما کے دیکھ لیا

ان کے گھر داغ جا کے دیکھ لیا
دل کے کہنے میں آ کے دیکھ لیا

کتنی فرحت فزا تھی بوئے وفا
اس نے دل کو جلا کے دیکھ لیا

کبھی غش میں رہا شبِ وعدہ
کبھی گردن اٹھا کے دیکھ لیا

جنس دل ہے یہ وہ نہیں سودا
ہر جگہ سے منگا کے دیکھ لیا

لوگ کہتے ہیں چپ لگی ہے تجھے
حالِ دل بھی سنا کے دیکھ لیا

جاؤ بھی کیا کرو گے مہر و وفا
بار ہا آزما کے دیکھ لیا

زخم دل میں نہیں ہے قطرۂ خوں
خوب ہم نے دکھا کے دیکھ لیا

ادھر آئینہ ہے اُدھر دل ہے
جس کو چاہا اٹھا کے دیکھ لیا

اُن کو خلوت سرا میں بے پردہ
صاف میدان پا کے دیکھ لیا

اس نے صبحِ شبِ وصال مجھے
جاتے جاتے بھی آ کے دیکھ لیا

تم کو ہے وصلِ غیر سے انکار
اور جو ہم نے آ کے دیکھ لیا

داغ نے خوب عاشقی کا مزا
جل کے دیکھا جلا کے دیکھ لیا

بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا
وہ کافر صنم کیا خدا ہے کسی کا

دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے
کہ پورا ہو جو مدعا ہے کسی کا

ادھر آ کلیجے سے تجھ کو لگا لوں
تجھی پر تو دل آگیا ہے کسی کا

کسی کی تپش میں خوشی ہے کسی کی
کسی کی خلش میں مزا ہے کسی کا

ذرا ڈال دو اپنی زلفوں کا سایہ
مقدر بہت نارسا ہے کسی کا

ہمیشہ اسے ہم نے ٹلتے ہی دیکھا
مگر دل بھی رنگ وفا ہے کسی کا

مری بزم میں آکے وہ پوچھتے ہیں
بُرا حال ہم نے سنا ہے کسی کا

ستم بھی کئے جاؤ ہم بھی ہیں حاضر
ہمیں حوصلہ دیکھنا ہے کسی کا

بچے جان کس طرح تیری ادا سے
قضا پر کہیں بس چلا ہے کسی کا

مری التجا پر بگڑ کر وہ بولے
نہیں مانتے، اس میں کیا ہے کسی کا

وہ کرنے لگے ہیں قیامت کی باتیں
یہ سچ ہے تو بس فیصلا ہے کسی کا

سنا کرتے ہیں چھیڑ کر گالیاں ہم
وگرنہ کوئی سر پھرا ہے کسی کا

تمہیں اس سے کیا بحث کیوں پوچھتے ہو
کوئی تذکرہ ہو رہا ہے کسی کا

بظاہر نہ جانے نہ جانے نہ جانے
تجھے داغ دل جانتا ہے کسی کا

بتوں نے ہوش سنبھالا جہاں شعور آیا
بڑے دماغ بڑے ناز سے غرور آیا

اسے حیا ادھر آئی اُدھر غرور آیا
مرے جنازے کے ہمراہ دور دور آیا

زباں پہ اُنکے جو بھولے سے نام حور آیا
اٹھا کے آئینہ دیکھا وہیں غرور آیا

تمہاری بزم تو ایسی ہی تھی نشاط افزا
رقیب نے بھی اگر پی مجھے سرور آیا

کہاں کہاں دل مشتاق دید نے یہ کہا
وہ چمکی برقِ تجلی وہ کوہ طور آیا

تری زمیں کی گلی اور اس قدر پامال
مگر یہاں کوئی مشتاق ناصبور آیا

جہاں میں لاکھ حسیں ہوں تو انکو رشک نہیں
قیامت آگئی جس وقت نام حور آیا

عدو کو دیکھ کے آنکھوں میں اپنے خون اترا
وہ تجھے بادۂ گلرنگ کا سرور آیا

تری گلی میں رہی بازگشت مثلِ نفس
کہ جتنی دور گیا واپس اتنی دور آیا

قسم بھی وہ کبھی قرآن کی نہیں کھاتے
یہ رشک ہے انھیں کیوں اسمیں ذکر حور آیا

پیام بر تری باتوں میں ہم کب آتے ہیں
وہاں ضرور گیا اور تو ضرور آیا

کہا جب اس نے تہ تیغ کون آتا ہے پکار اٹھا دل مشتاق و ناصبور آیا
پیام بر سے شب وعدہ وہ بگڑ بیٹھے بنے بنائے ہوئے کام میں فتور آیا
کسی نے جرم کیا مل گئی سزا مجھ کو کسی نے شکوہ کیا مجھ پہ منھ ضرور آیا
جو خم کو جوش تو ساغر کو آگیا چکر مرے ہی دل کو نہ اس بزم میں سرور آیا
گذار دی شب وعدہ اسی توقع پر مرے بلانے کو اب آدمی ضرور آیا
کہیں تھی راہ نمائی کہیں تھی راہ زنی کہیں ملا کہیں میں کارواں سے دور آیا
لگاوٹیں ہیں تجلی کی یہ تو اے موسیٰ کہ سرمہ بن کے جو آنکھوں میں کوہ طور آیا
الٰہی اشکِ مصیبت کی آبرو رکھنا یہ بے کسی میں برے وقت پر ضرور آیا
خدا نے بخش دیئے حشر میں بہت عاشق خیال یار میں کوئی نہ بے قصور آیا
ترے نصیب کا ایدل وہاں بھی صبر نہیں جواب گیا وہ قیامت کے دن ضرور آیا
بنے ہو بزم میں ساقی تو یہ خیال رہے کسے سرور نہ آیا کسے سرور آیا
شہید ناز بھی عاشق مزاج بھی ہیں ہو اسی لیئے ملک الموت بن کے حور آیا

وہیں سے داغ سیہ بخت کو ملی ظلمت
جہاں سے حضرت موسیٰ کے ہاتھ نور آیا

کیا لطف ستم یوں انھیں حاصل نہیں ہوتا غنچے کو وہ ملتے ہیں اگر دل نہیں ہوتا
دل کا کوئی حامی دم بسمل نہیں ہوتا کمبخت کلیجا بھی تو شامل نہیں ہوتا
کچھ تازہ مزا شوق کا حاصل نہیں ہوتا ہر روز نئی آنکھ نیا دل نہیں ہوتا
انکار رہا خواب میں بھی وصل سے اسکو معشوق کسی حال میں غافل نہیں ہوتا
ایسا تو نہ ہو حشر میں تکرار کی ٹھہرے تو اپنی خطا پر کبھی قائل نہیں ہوتا
جس آئینے کو دیکھ لیا قہر سے اس نے اس آئینے سے کوئی مقابل نہیں ہوتا
کیا عشق سے نفرت ہے کہ وہ پوچھ رہے ہیں کوئی بھی وہ بستی ہے جہاں دل نہیں ہوتا

غمزہ بھی ہو سفاک نگاہیں بھی ہوں خونریز
تلوار کے باندھے سے تو قاتل نہیں ہوتا

انکار تو کرتے ہو مگر یہ بھی سمجھ لو
بے وجہ کسی سے کوئی سائل نہیں ہوتا

چلنے کا رہِ دوست میں سامان نہیں بنتا
پہنچیں تو ٹھکانا سرِ منزل نہیں ہوتا

جس دن پئے گلگشت نکلتے ہیں وہ گھر سے
رکھتے ہی نہیں پاؤں جہاں دل نہیں ہوتا

کیا ناک میں دم ہے دلِ دشوار طلب سے
وہ کام بگڑتا ہے جو مشکل نہیں ہوتا

اب دل سے کھٹکتا ہے اگا خارِ تمنا
کھٹکے کی جگہ کوئی بھی شامل نہیں ہوتا

منزل پہ جو پہنچے تو ملے قیس کو لیلیٰ
ناقے سے جدا کیا کبھی محمل نہیں ہوتا

کھل کھیلیں وہیں آپ جہاں چار ہیں بیٹھے
یہ شرم یہ پردہ سرِ محفل نہیں ہوتا

ہیہات اور شبِ تیرہ و صحرائے خطرناک
رہبر کا پتہ سینکڑوں منزل نہیں ہوتا

بہلاتے ہیں نادان وہ کیسے پئے تسکیں
رکھتے ہیں وہاں ہاتھ جہاں دل نہیں ہوتا

میں دل سے بھی ہشیار جگر سے بھی خبردار
جب آنکھ لگاتا ہوں تو غافل نہیں ہوتا

رکھ لوں ترے پیکاں کو کلیجے سے لگا کر
اپنا کبھی ہوتا ہے کبھی دل نہیں ہوتا

مرنے ہی پہ جب آئے تو کیوں ڈوب کے مریئے
کیا خاک میں ملجانے کو ساحل نہیں ہوتا

دیتے ہیں تجھے اہلِ ہوس نقدِ دل الیبا
جو تیرے غلاموں کے بھی قابل نہیں ہوتا

یہ داد ملی ان سے مجھے کاوشِ دل کی
جس کام کی عادت ہو وہ مشکل نہیں ہوتا

اے داغ کس آفت میں ہوں کچھ بن نہیں آتی
وہ چھینتے ہیں مجھ سے جدا دل نہیں ہوتا

جس نے ہمارے دل کا نمونا دکھا دیا
اس آئینے کو خاک میں اس نے ملا دیا

معشوق کو اگر دلِ بے مدعا دیا
پوچھے کوئی خدا سے کہ عاشق کو کیا دیا

بے مانگے دردِ عشق و غمِ جاں گزا دیا
سب کچھ ہمارے پاس ہے اللہ کا دیا

ناوک ابھی ہے شست میں صیاد کے مگر
اٹھتے ہی انگلیاں وہ نشانہ اڑا دیا

رکھتے ہیں ایسے چاند کو تو غیر بھی عزیز
یوسف کو بھائیوں نے کنوئیں میں گرا دیا

ملتا ہے تختِ دل مجھے سرکار عشق سے
اچھی جگہ نصیب نے ٹکڑا لگا دیا

صرفِ بنائے بتکدہ اے شیخ کچھ نہ پوچھ
اکثر اک اینٹ کے لیئے مسجد کو ڈھا دیا

ملتے ہیں تیرے چاہنے والے ہیں تیرے ڈھنگ
جو تجھ پہ مٹ گیا مجھے اس نے مٹا دیا

مضمون شوق چھپ نہ سکا اسکو کیا کروں
گو میں نے خط رقیب کے خط میں ملا دیا

دنیا میں اک یہی ہے زیارت گہہ جنوں
خانہ خرابیوں نے مرا گھر بنا دیا

لب خشک ہو رہے ہیں کف دست سرخ ہیں
لو سچ کہو کہ قتل رقیبوں کو کیا دیا

تیر فراق داغ تمنا و رشک غیر
دل ہو جگر ہو کھاتے ہیں سب آکیا دیا

پیکان یار سینے سے کیونکر نکال دوں
یہ ہے خدا کی دین کہ دل دوسرا دیا

تا حشر منکرینِ قیامت نہ مانتے
تجھ کو بنا کے اس کا نمونہ دکھا دیا

سمجھیں گے خوب اس بتِ ناآشنا سے داغ
گر ایک بار اور خدا نے ملا دیا

انکار مے کشی نے مجھے کیا مزا دیا
سینے پہ چڑھ کے اس نے خم مے پلا دیا

ہر اک کو مستعار دلِ مبتلا دیا
یوں ہم نے اک زمانے کو عاشق بنا دیا

جو کچھ ہو اب تو دل تجھے اے بیوفا دیا
تقدیر نے بگاڑ دیا یا بنا دیا

آخر کو جوش گریہ نے اتنا اثر کیا
نقشِ مراد صفحۂ دل سے مٹا دیا

احسان مانتا ہوں ستم ہائے غیر کا
بگڑا ہوا مزاج تمہارا بنا دیا

وہ نامراد لطف اسیری ہوں ہم صفیر
صیاد نے بھی مجھ کو چمن سے اڑا دیا

اپنی تو زندگی ہے تغافل کی وجہ سے
وہ جانتے ہیں خاک میں ہم نے ملا دیا

تھوڑی سی پی کے تلخئ مے کا گلا رہا
جب منہ کو لگ گئی تو نہایت مزا دیا

وہ ناز سے زمیں پہ رکھتے نہ تھے قدم
تعریف کر کے اور بھی ہم نے اڑا دیا

کام آگیا ہجوم رقیبوں کا بزم میں
اس فتنہ گر کی آنکھ سے مجھکو چھپا دیا

تعریف جو نہ اور پھر اس شد و مد کے ساتھ
میری زباں نے مجھے جھوٹا بنا دیا

یوں ہوگئی نجات یہ تدبیر بن پڑی
ناصح کو ہم نے غیر کے پیچھے لگا دیا

کوئی بھی طول روز جزا سے غرض نہ تھی
میری شب فراق کی ضد نے بڑھا دیا

یاروں کا میرا ساتھ ہے مانند برق و ابر
رو دیا گیا بہت مجھے جس نے ہنسا دیا

انساں جانے تو نہ لکھتے وہ یہ جواب
کیا جانے نامہ بر نے مجھے کیا بتا دیا

کہلا رہے ہیں حاتم ثانی جناب شیخ
کیا جانے مے فروش کو حضرت نے کیا دیا

بخشا گیا جو داغ سیہ کار دیکھنا
جنت کہیگی آگ لگا دی جلا دیا

کچھ جو قاتل کا تبسم نمک افشاں ہوتا
کیا ہی پھیکا مرے زخموں سے نمکداں ہوتا

موت کا مجھکو نہ کھٹکا شب ہجراں ہوتا
میرے دروازے پہ گر آپکا درباں ہوتا

گر مرے ہاتھ تری بزم کا ساماں ہوتا
میزباں میں کبھی ہوتا کبھی مہماں ہوتا

عشق تاثیر جو کرتا تو نہ پنہاں ہوتا
رنج میرا ترے چہرے سے نمایاں ہوتا

دین و دنیا کے مزے جب تھے کہ دو دل ہوتے
ایک میں کفر اگر ایک میں ایماں ہوتا

دل کو آسودہ جو دیکھا تو انھیں ضد آئی
اس سے بہتر تو یہی تھا کہ پریشاں ہوتا

خلد میں بند رہے عیش کے ساماں بیکار
لطف جب تھا کہ یہ مجموعہ پریشاں ہوتا

بے نیازی جو ہوئی میری تمنا سے ہوئی
تجھ کو ارماں جو نہ ہوتا تجھے ارماں ہوتا

عشق کچھ کھیل نہیں اے دل آرام طلب
سیکھنا تھا تجھے وہ کام جو آساں ہوتا

کیا غضب ہے نہیں انسان کو انساں کی قدر
ہر فرشتے کو یہ حسرت ہے کہ انساں ہوتا

حشر کے روز تجھے پاس عدالت ہوگا
بخش دیتا جو یونہی جرم تو احساں ہوتا

ہم پڑھے لیتے ہیں کلمہ بت کافر سن لے
تو نے دیکھا ہی نہیں کوئی مسلماں ہوتا

اے فلک ہجر میں گھنگھور گھٹا چھائی ہے
دامنِ ابر بھی میرا ہی گریباں ہوتا

ذبح کے بعد مجھے لطفِ خلش رہ جاتا
کاش خنجر میں ترے تیر کا پیکاں ہوتا

مرضِ عشق طبیبوں نے بہت اُلجھایا
آخرِ کار یہ آزار ہی درماں ہوتا

ایک مدت سے ہے عادت مجھے تنہائی کی
پاس فردوس کے سنسان بیاباں ہوتا

شکر کرتا ہوں ملی نعمتِ غم کھانے کو
آج فاقہ ہی مجھے اے شبِ ہجراں ہوتا

ہوگئی بارِ گراں بندہ نوازی تیری
تو نہ کرتا اگر احسان تو احساں ہوتا

بے تلاشی لئے رہتا نہ کبھی دستِ جنوں
گر مری جیب کے اندر بھی گریباں ہوتا

داغ کو ہم نے محبت میں بہت سمجھایا
وہ کہا مان نہ لیتا اگر انساں ہوتا

دلِ پُر اضطراب نے مارا
اسی خانہ خراب نے مارا

میری آنکھوں سے ہے عیاں پسِ مرگ
نرگسِ نیم خواب نے مارا

دیکھ لینا کہ حشر کا میدان
میرے حاضر جواب نے مارا

یاد کرتے ہو غیر کے اشعار
ہائے اس انتخاب نے مارا

دل لگاوٹ نے کر دیا بسمل
اور پھر اجتناب نے مارا

جسکو ڈھونڈھا ملا نہ کعبے میں
ایسے خالی ثواب نے مارا

جان بچتی نظر نہیں آتی
اب نگاہِ عتاب نے مارا

تھک گئے ہاتھ لکھتے لکھتے خط
اس سوال و جواب نے مارا

جا چکیں خلد میں کہ دوزخ میں
طولِ روزِ حساب نے مارا

وصل دیکھا اگر وصال ہوا
مجھ کو تعبیرِ خواب نے مارا

میری میت پہ کیوں نہ برسے نور
غیرتِ آفتاب نے مارا

مجھ کو بے تاب دیکھ کر بولے
آپ کے اضطراب نے مارا

دیکھ کر جلوہ غش ہوئے موسیٰ
داغ مجھ کو حجاب نے مارا

اس کعبۂ دل کو کبھی ویراں نہیں دیکھا — اس بت کو کب اللہ کا مہماں نہیں دیکھا

کیا ہم نے عذابِ شبِ ہجراں نہیں دیکھا — تمکو نہ یقیں آئے تو ہاں ہاں نہیں دیکھا

کیا تو نے مرا حال پریشاں نہیں دیکھا — اسطرح سے دیکھا کہ مری جاں نہیں دیکھا

جب ہاتھ پڑا وصل میں شوخی سے کسی کا — پھر ہم نے گریباں کو گریباں نہیں دیکھا

ہم جیسے ہیں ایسا کوئی دانا نہیں پایا — تم جیسے ہو ایسا کوئی ناداں نہیں دیکھا

راحت کے طلبگار ہزاروں نظر آئے — محشر میں کوئی جور کا خواہاں نہیں دیکھا

نظروں میں سمایا ہوا ساماں نہیں جاتا — لیلیٰ نے کبھی قیس کو عریاں نہیں دیکھا

اس بت کی محبت میں قیامت کا مزا ہے — کافر کو کبھی دوزخ میں پشیماں نہیں دیکھا

کہتے ہو کہ بس دیکھ لیا ہم نے ترا دل — دل دیکھ لیا اور پھر ارماں نہیں دیکھا

کیا ذوق ہے کیا شوق ہے سو مرتبہ دیکھوں — پھر بھی یہ کہوں جلوۂ جاناں نہیں دیکھا

محشر میں وہ نادم ہوں خدا یہ نہ دکھائے — آنکھوں نے کبھی ان کو پشیماں نہیں دیکھا

جو دیکھتے ہیں دیکھنے والے ترے انداز — تو نے وہ تماشا ہی مری جاں نہیں دیکھا

ہر چند ترے ظلم کی کچھ حد نہیں ظالم — پر ہم نے کسی شخص کو نالاں نہیں دیکھا

گو نزع کی حالت ہے مگر پھر یہ کہوں گا — کچھ تم نے مرا حال پریشاں نہیں دیکھا

تم غیر کی تعریف کرو قہر خدا ہے — معشوق کو یوں بندۂ احساں نہیں دیکھا

کیا جذبِ محبت ہے کہ جب سینے سے کھینچا — سفاک ترے تیر میں پیکاں نہیں دیکھا

ملتا نہیں ہم کو دلِ گم گشتہ ہمارا — تو نے تو کہیں اے غمِ جاناں نہیں دیکھا

جو دن مجھے تقدیر کی گردش نے دکھایا — تو نے بھی وہ اے گردشِ دوراں نہیں دیکھا

کیا داد ملے اس سے پریشانیٔ دل کی — جس بت نے کبھی خوابِ پریشاں نہیں دیکھا

میں نے اسے دیکھا مرے دل نے اسے دیکھا
تو نے اسے اے دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

تمکو مرے مرنے کی یہ حسرت یہ تمنا
اچھوں کو بری بات کا ارماں نہیں دیکھا

لو اور سنو کہتے ہیں وہ دیکھ کے مجھ کو
جو حال سنا تھا وہ پریشاں نہیں دیکھا

تم منھ سے کہے جاؤ کہ دیکھا ہے زمانہ
آنکھیں تو یہ کہتی ہیں کہ ہاں ہاں نہیں دیکھا

کیا عیش سے معمور تھی وہ انجمنِ ناز
ہم نے تو وہاں شمع کو گریاں نہیں دیکھا

کہتی ہے مری قبر یہ رو رو کے محبت
یوں خاک میں ملتے ہوئے ارماں نہیں دیکھا

کیا پوچھتے ہو کون ہے کس کی ہے یہ شہرت
کیا تم نے کبھی داغ کا دیواں نہیں دیکھا

تو ہے مشہور دل آزار یہ کیا؟
تجھ پہ آتا ہے مجھے پیار یہ کیا؟

جانتا ہوں کہ مری جان ہے تو!
اور میں جان سے بیزار یہ کیا؟

پاؤں پر ان کے گرا میں تو کہا
دیکھ ہشیار خبردار یہ کیا؟

تیری آنکھیں تو بہت اچھی ہیں!
سب انھیں کہتے ہیں بیمار یہ کیا؟

کیوں مرے قتل سے انکار یہ کیوں؟
اسقدر ہے تمہیں دشوار یہ کیا؟

سر اڑاتے ہوں وہ تلواروں سے
کوئی کہتا نہیں سرکار یہ کیا؟

ہاتھ آتی ہے متاعِ الفت
ہاتھ ملتے ہیں خریدار یہ کیا؟

خوبیاں کل تو بیاں ہوتی تھیں
آج ہے شکوۂ اغیار یہ کیا؟

لے لیئے ہم نے لپٹ کر بوسے
وہ تو کہتے رہے ہر بار یہ کیا؟

وحشتِ دل کے سوا الفت میں
اور ہیں سینکڑوں آزار یہ کیا؟

ضعف رخصت نہیں دیتا افسوس
سامنے ہے درِ دلدار یہ کیا؟

باتیں سنیئے تو بھڑک جائیے گا
گرم ہیں داغ کے اشعار یہ کیا؟

ردکنا دلکو کہ شوقِ زلفِ دلبر لے چلا
تھامنا مجھ کو کہ یہ سودا مرا سر لے چلا

اسکی محفل سے کہوں کیا دلکو کیونکر لیچلا
ہار کر اکبار چھیڑا پھر مکرر لے چلا

نالہ چن کر دلکی باتیں دل سے باہر لیچلا
یہ بشارت یہ خبر یہ مژدہ گھر گھر لے چلا

باندھ کر مشکیں خیالِ زلفِ دلبر لیچلا
سانپ کے منھ میں مرا مجھکو مقدر لے چلا

چل دیا وہ شعبدہ گر میں یہی کہتا رہا
اسکو لینا وہ کوئی دلکو چرا کر لے چلا

ابرِ رحمت کا ہوا اہلِ جہنم کو گمان
سوئے دوزخ میں جو اپنا دامنِ تر لیچلا

وہ سدھارے اپنے گھر مجھکو رہی یہ کشمکش
ضبط نے کھینچا ادھر دل سوئے دلبر لیچلا

رشکِ دشمن نے مجھے آنکھیں دکھائیں دور سے
شوقِ نظارہ جو سوئے روزنِ در لے چلا

دلکی باتیں دل ہی جانے بیخودی شوق میں
کسطرح لایا خدا جانے یہ کیونکر لے چلا

پھر بلایا پھر کہا کچھ پھر اسے رخصت کیا
نامہ بر جب حسرتوں کا میرے دفتر لیچلا

کیا ہوا کس سخت جاں سے ہو گئی قاتل کی لاگ
چھانٹ کر دس بیس میں جو ایک خنجر لیچلا

سیکڑوں مہرِ شہادت ہیں مرے داغِ گناہ
میں عدم کو خود بنا کر اپنا محضر لے چلا

آدمی کی کیا ہے طاقت جو ہوا کا ساتھ دے
ٹھوکریں کھا کر گرا جب مجھکو رہبر لیچلا

خوب رضواں سے درِ فردوس پہ جھگڑے ہوے
جب بتِ کافر کو میں دلمیں چھپا کر لیچلا

کاتبِ اعمال سے محشر میں ہو گی گفتگو
اس لیئے میں آپ اپنا حال لکھ کر لیچلا

کوئی دامن گیر تھا کوئی گریباں گیر تھا
اس کو اپنے ساتھ جب میں روزِ محشر لیچلا

پوری اترے یہ قیامت سے نہیں مجھکو امید
ایک ڈورا میں ترے قد کے برابر لے چلا

بارِ عصیاں کسقدر ہے آدمی جزوِ ضعیف
یہ گرا دیگا جو اتنا بوجھ سر پر لے چلا

آنسوؤں کا قافلہ چلنے لگا نالے کیساتھ
یہ جرس آواز پر اپنی لگا کر لے چلا

اسکی چتون پھرتے ہی محفل میں ہلچل پڑ گئی
مضطرب کو مضطرب مضطر کو مضطر لیچلا

منزلِ مقصود تک پہنچے بڑی مشکل سے ہم
ضعف نے اکثر بٹھایا شوق اکثر لے چلا

وائے قسمت اب نہ آئیگا نہ لائیگا جواب
لیجا خط بھی تو صیدی کا کبوتر لے چلا

یہ حسیں یہ مہ جبیں یہ شہر ایسی لہر بہر
داغ کلکتے[1] سے لاکھوں داغ دل پر لے چلا

کس نے کہا کہ داغ وفادار مرگیا
وہ ہاتھ مل کے کہتے ہیں کیا یار مرگیا

دام بلائے عشق کی وہ کشمکش رہی
اک اک پھڑک پھڑک کے گرفتار مرگیا

میرے ہی دم سے زندہ ہے آزار عشق کا
میں مرگیا اگر تو یہ آزار مرگیا

محجوب کر نہ جرم فغاں پر کہ لطف کیا
شرم گناہ سے جو گنہگار مرگیا

بیداد گر کو رہ گئی کیا حسرت ستم
جب اپنی موت کوئی دل افگار مرگیا

بدتر ہے موت سے بھی زیادہ یہ زندگی
وہ جی گیا جو عشق کا بیمار مرگیا

ہے تیرے جنس حسن میں تاثیر زہر کی
جس کی نظر پڑی وہ خریدار مرگیا

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں پس مرگ اسلیئے
جانے کوئی کہ طالب دیدار مرگیا

جس سے کیا ہے آپ نے اقرار جی گیا
جس نے سنا ہے آپ سے انکار مرگیا

کس بیکسی سے داغ نے افسوس جان دی
پڑھ کر ترے فراق کے اشعار مرگیا

جگر کو تھام کے میں بزم یار سے اٹھا
ہر اک قرار سے بیٹھا قرار سے اٹھا

ہمارے دل نے وہ تنہا اٹھالیا ظالم
ترا ستم جو نہ اک روزگار سے اٹھا

ہوا نہ پھر کہیں روشن یہ رشک تو دیکھو
کوئی چراغ جو میرے مزار سے اٹھا

شب فراق اجل کی بہت دعا مانگی
جگر میں درد بڑے انتظار سے اٹھا

ہوا ہے خون کے چھینٹوں سے پیرہن گلزار
ترے شہید کا لاشہ بہار سے اٹھا

---

[1] یہ غزل کلکتہ میں جون ۱۸۸۲ء میں کہی گئی ہے۔

ہمارے خط میں وہ مضمون سرگرانی تھا
کہ ایک حرف نہ اس گلعذار سے اٹھا

تمہارے جھوٹ نے بے اعتبار سب کیا
کہ جیسے ایک سے اٹھا ہزار سے اٹھا

اسی کے راہ گذر میں لگائے سو چکر
جو گردباد ہمارے غبار سے اٹھا

گلہ رقیب کا سن کر جھکی رہیں آنکھیں
حجاب کب نگہ شرمسار سے اٹھا

ترس رہے تھے شرابی کہ انگلیاں اٹھیں
وہ ابر رحمت پروردگار سے اٹھا

کسی نے پاسۂ حنائی جو ناز سے رکھا
بھڑک کے شعلہ ہمارے مزار سے اٹھا

رہی وہ حسرت دنیا کہ صبح محشر بھی
میں اپنے ہاتھ کو مل تا مزار سے اٹھا

نہ چھوڑتا اگر ان کے قدم وہ کیوں جاتے
مگر نہ ہاتھ دل بے قرار سے اٹھا

وہ فتنہ فتنہ ہے وہ حشر حشر ہے یارب
جو بزم یار سے جو کوئے یار سے اٹھا

تم اپنے ہاتھ سے دو پھول غیر کو چن کر
یہ داغ کب دل امیدوار سے اٹھا

عدو کی بزم میں دیکھو تو داغ کے تیور
ذلیل ہو کے بڑے افتخار سے اٹھا

دل مبتلائے لذت آزار ہی رہا
مرنا فراق یار میں دشوار ہی رہا

ہر دم یہ شوق تھا اسے قربان کیجئے
میں وصل میں بھی جان سے بیزار ہی رہا

احسان عفو جرم سے وہ شرمسار ہوں
بخشا گیا میں تو بھی گنہگار ہی رہا

ہوتی رہی ہر طرح سے مری پاسداریاں
دشمن کے پاس بھی وہ مرا یار ہی رہا

دن پہلوؤں سے ٹال دیا کچھ نہ کہہ سکے
ہر چند ان کو وصل کا انکار ہی رہا

زاہد کی توبہ توبہ رہی گھونٹ گھونٹ پر
سو بوتلیں اڑا کے بھی ہشیار ہی رہا

دیکھیں ہزار رشک مسیحا کی صورتیں
اچھا رہا جو عشق کا بیمار ہی رہا

صدقے میں تم نے چھوڑ دئیے ہیں اسیر
میں بھی رہا ہوا کہ گرفتار ہی رہا

لذت وفا میں ہے نہ کسی کی جفا میں ہے
دلدار ہی رہا نہ دل آزار ہی رہا

جلوہ کے بعد وصل کی خواہش ضرور تھی ۔ وہ کیا رہا جو عاشقِ دیدار ہی رہا

کہتے ہیں جل کے غیر محبت سے داغ کی

معشوق اس کے پاس وفادار ہی رہا

حشر میں بھی مبتلا اس پر جہاں ہو جائیگا ۔ جو یہاں ہوتا ہے وہ اک دن وہاں ہو جائیگا

دل سے بھی باتیں نہیں کرتا کبھی میں اسلیئے ۔ وہ ستمگر بد گماں یہ راز داں ہو جائیگا

آستیں سے پونچھ لے بہتے ہوئے آنسو مرے ۔ ہاتھ تیرا بھیگ اے قاتل رواں ہو جائیگا

اُسکے گھر سے جب بگڑ کر میں چلا تو یہ کہا ۔ آپ کے جانے سے کیا سونا مکاں ہو جائیگا

حُسن تیرا عشق میرا ہے بلائے روزگار ۔ آفت آجائیگی یہ چرچا جہاں ہو جائیگا

دل کو مدت میں کیا تھا خوگرِ طرزِ ستم ۔ کیا خبر تھی وہ یکایک مہرباں ہو جائیگا

چُپ رہوں میں حشر میں یہ آپنے اچھی کہی ۔ ہو سکیگا حال دل جتنا بیاں ہو جائیگا

سخت جانی تیرے تیر دل کو رولائیگی بہت ۔ ہر لبِ سوفار چشمِ خوں فشاں ہو جائیگا

دیکھ لینا آرزوئے وصل میں میرا وصال ۔ بیٹھے بیٹھے یونہی اک دن ناگہاں ہو جائیگا

داغ کہ ہم یہ نہ سمجھے تھے کہ تیرے عشق میں

ہائے ایسا شخص یوں بے خانماں ہو جائیگا

ارمان بھرے دل کا نہ یوں نام نکلتا ۔ ناکامیٔ جاوید سے بھی کام نکلتا

گر سلسلۂ نامہ و پیغام نکلتا ۔ تو اے دل ناکام بڑا کام نکلتا

وہ چُپ ہی رہے ورنہ مرے ذکر وفا پر ۔ تعریف میں بھی پہلوئے دشنام نکلتا

ہوتا ہے حسینوں کا یہی وقت نمائش ۔ ورنہ مہ کامل نہ سرِ شام نکلتا

وہ کاش مرے قتل کو آتے مگر آتے ۔ ارمان تو اے گردشِ ایام نکلتا

فرہاد کو آتی نہ کبھی سینہ خراشی ۔ گر لاکھ برس ہاتھ سے یہ کام نکلتا

معلوم نہ تھا یوں تری باتوں میں ہیں گھاتیں ۔ آغاز میں کیا عشق کا انجام نکلتا

گیا حضرت زاہد ہی نے پیر مغاں آج
میخانہ سے باہر نہیں اک جام نکلتا

گھبرا کے نکلتا نہ ترا ناوک دلدوز
پہلو میں اگر گوشۂ آرام نکلتا

آنکھوں میں تو رہتی ہیں وہ کاجل بھری آنکھیں
آنکھوں سے نہ کیوں خون سیہ فام نکلتا

دشمن کی ندامت نے انھیں پیار دلایا
اے کاش مرے ذمے بھی الزام نکلتا

پیغام بر اس شوخ کو لا، یا مجھے لے چل
خالی تری باتوں سے نہیں کام نکلتا

اے داغ سناتے غزل اس شوخ کو ہم بھی
گر شعر کوئی قابلِ انعام نکلتا

ہے رشک کہ اغیار کو دیکھا اسے دیکھا
ہر چشمِ خریدار کو دیکھا اسے دیکھا

تصویرِ رخِ یار کو دیکھا اسے دیکھا
خورشید پر انوار کو دیکھا اسے دیکھا

مشتاق سے کھل جاتے ہیں محبوب کے انداز
جب طالبِ دیدار کو دیکھا اسے دیکھا

حیرت سے ترے دیکھنے والے کی ہے یہ شکل
جس شخص نے دیوار کو دیکھا اسے دیکھا

کیا فتنۂ محشر میں ہے جو اسمیں نہیں ہے
ظالم تری رفتار کو دیکھا اسے دیکھا

دیکھا نا! اسے دیکھ کے ہوش اڑ گئے تیرے!
ناصح بتِ عیار کو دیکھا اسے دیکھا

کہدے ارنی گو سے کوئی جا کے سر طور
گر شعلۂ رخسار کو دیکھا اسے دیکھا

عاشق کو یونہی دیکھتے ہیں دیکھنے والے
ہر مرتبہ تلوار کو دیکھا اسے دیکھا

وہ آنکھ دکھائیں یہ تمنا نہیں ہم کو
جیسے کسی بیمار کو دیکھا اسے دیکھا

آنکھ اپنی لڑی رہتی ہے محفل میں ہر اک سے
بے تاب جو دو چار کو دیکھا اسے دیکھا

اے داغ اسی شوخ کے مضمون بھرے ہیں
جس نے مرے اشعار کو دیکھا اسے دیکھا

دیکھ لے گا یہ مزا حشر میں جو جائیگا
آپ جو حکم کریں گے وہی ہو جائیگا

کیا مرے قتل کا یوں پردہ نہ ہو جائیگا
بیٹھ کر اہلِ عزا میں کوئی رو جائیگا

لے کے دل دو گے تو دو بھر مجھے ہو جائیگا
آپ جو حکم کریں گے وہی ہو جائیگا

چین آئے اسے ہچکہ ترے سر کا بن کر
کاٹ ڈالوں گا مرا ہاتھ جو سو جائیگا

غیر آیا ہے عیادت کو اگر آنے دو
وہ بھی کم بخت مری جان کو رو جائیگا

آسماں ہو کہ زمانہ ہو غرض کوئی ہو
تم جسے دوست بنالو گے وہ ہو جائیگا

نامہ بر دیدۂ بیدار ہمارا لے جا
یہ تو جاگے گا جو تو راہ میں سو جائیگا

کیوں نگہبان بنے آپ پرائے دل کے
مفت کا مال ہے کھو جائے جو کھو جائیگا

حشر تک بات نہ جائیگی جو تم جا ہو گے
گھر کا گھر ہی میں ابھی فیصلہ ہو جائیگا

کہہ گیا ساقیٔ سرشار یہ چلتے چلتے
آپ جو رنگ میں ڈوبے گا ڈبو جائیگا

یہ وہ حالت ہے کہ ہنستوں کو رلا دیتی ہے
جو ہنسانے مجھے آئے گا وہ رو جائیگا

فیصلہ آج کئے لیتے ہیں جو کچھ ہو جائے
نہ سہی ان سے خوشی رنج تو ہو جائیگا

روز جمتی ہیں صفیں نامہ بروں کی بیکار
نہیں جمتا وہ مرے ذہن میں جو جائیگا

خط کی لوں نقل کہ قاصد کی اتاروں تصویر
یہ بھی گم ہوگا مرا نامہ بھی کھو جائیگا

وصل کے باب میں کی عرض تو ہنس کر بولے
کیوں مرے جاتے ہو ہو جائیگا ہو جائیگا

داغ تم داغ جدائی کے گلے کرتے ہو
چار چھینٹوں میں وہ چلتے ہوئے دھو جائیگا

رکے جو کام تو بے داد رس نہیں چلتا
پرائے بس میں ہیں کچھ اپنا بس نہیں چلتا

ہمارے سینے میں بے دل نفس نہیں چلتا
جب اس نے روک دیا کچھ بھی بس نہیں چلتا

دکھائیں کوچۂ قاتل میں جاں نثاروں کو
ہمارے ساتھ کبھی بوالہوس نہیں چلتا

بہت ہمارے پھڑکنے سے تنگ ہے صیاد
کہ چار دن سے زیادہ قفس نہیں چلتا

گذر گئے ہیں جو دن پھر نہ آئینگے ہرگز
کہ ایک چال فلک ہر برس نہیں چلتا

مریض غم سے چلے پیش کیا طبیبوں کی
بغیر حکم الٰہی نفس نہیں چلتا

وہ شہسوار بہت اپنے دل میں حیراں ہے
کہ میری خاک سے آگے فرس نہیں چلتا

وہ بدگماں ہے وہ ہے نازنیں مرا صیاد
کہ اپنے ہاتھ میں لیکر قفس نہیں چلتا

کبھی ادھر تو کبھی ہے ادھر وہ شاہسوار
یہ بانکپن ہے کہ سیدھا فرس نہیں چلتا

ملے جو داغ تو کیسا بنائیں ٹھیک اسے
ہزار کوس سے کچھ ان کا بس نہیں چلتا

ایک ہی شکوے میں سامانِ وصل کا برہم ہوا
کیا ہنسی میں رنج پھیلا کیا خوشی میں غم ہوا

حال میرا دوسرا گویا مزاجِ یار ہے
یہ سنبھالے سے نہ سنبھلے گا اگر برہم ہوا

ناامیدی تیرے صدقے تو نے دی راحت مجھے
کم ہوا جب ایک ارماں ایک دشمن کم ہوا

بے اثر ہو تو بھی طوفاں ہو نہیں دریا تو ہو
حسرت اس آنسو پہ ہے جو قطرۂ شبنم ہوا

چارۂ درماں سے بھی رہ رہ کے ابھری تھی چوٹ
تھوڑے تھوڑے لطف سے بھی دردِ دل کا کم ہوا

آگے آگے رنگ لائیگا ابھی مضمونِ غم
نامہ بر کہتا ہے اک اک لفظ پر ماتم ہوا

دردِ دل معشوق کا غصہ نہیں ہے چارہ گر
یہ نہ بڑھ کر کم ہوا جب کم ہوا تو سم ہوا

صبحِ ہجراں میں ادھر غمگیں ادھر ان کا یہ حال
آئینے سے کہتے ہیں یہ کیا مرا عالم ہوا

داغ پھر اس آفتِ جاں سے بڑھائی رسم و راہ۔
پہلے تھوڑا رنج پایا، پہلے تھوڑا غم ہوا؟

کہو جب تم یہ ہے بیمار میرا
تو کیونکر دور ہو آزار میرا

یہ ہے دل باعث آزار میرا
یہ ہے غم خوار میرا یار میرا

ہو یا ہر شوق بھی قاصد ادا ہو
نہ آئے نام بھی زنہار میرا

برائی میں بھی ہوگا کوئی مطلب
وہ کرتے ذکر کیوں ہر بار میرا

مجھے کوسیں بلا سے گالیاں دیں
مگر وہ نام لیں ہر بار میرا

کہونگا حشر میں یہ کون میں کون
مزا دے جائیگا انکار میرا

خدا سے حشر کے دن وہ چکائے　　کہاں ہے طالبِ دیدار میرا
قیامت ہے سنے وہ سر جھکائے　　خدا کے سامنے اظہار میرا

مجھے تم جانتے ہو داغ ہوں میں
کہیں جاتا ہے خالی وار میرا

جب جوانی کا مزا جاتا رہا　　زندگانی کا مزا جاتا رہا
وہ قسم کھاتے ہیں اب ہر بات پر　　بدگمانی کا مزا جاتا رہا
داستانِ عشق جب ٹھہری غلط　　پھر کہانی کا مزا جاتا رہا
خواب میں تیری تجلی دیکھ لی　　لن ترانی کا مزا جاتا رہا
مٹ گئی اب داغ فرقت کی جلن　　اس نشانی کا مزا جاتا رہا
چھٹ سکے برسات میں کیونکر شراب　　سرد پانی کا مزا جاتا رہا
درد نے اٹھ کر اٹھایا بزم سے　　ناتوانی کا مزا جاتا رہا
غیر پر لطف و کرم ہونے لگا　　مہربانی کا مزا جاتا رہا
کوئی تجھ پر بے غرض مرتا نہیں　　جاں فشانی کا مزا جاتا رہا
آپ وہ اپنے نگہباں بن گئے　　پاسبانی کا مزا جاتا رہا
دوسرا کوئی نہ تجھ سا بن سکا　　نقشِ ثانی کا مزا جاتا رہا
جب شرابِ کہنہ میں پانی ملا　　اس پرانی کا مزا جاتا رہا
دوسرا پورا پڑا قاتل کا ہاتھ　　سخت جانی کا مزا جاتا رہا
نامہ بر نے طے کیے سارے پیام　　منہ زبانی کا مزا جاتا رہا
کوئی دن کی اب ہوا کھاتے ہیں ہم　　دانے پانی کا مزا جاتا رہا

داغ ہی کے دم سے تھا لطفِ سخن
خوش بیانی کا مزا جاتا رہا

وہ جانا پھیر کر چتون کسی کا
ہمارے ہاتھ میں دامن کسی کا

غبار آلودہ ہیں پائے حنائی
مٹا کر آئے ہیں مدفن کسی کا

زمانے کے چلن سیکھے ہیں تو نے
کسی کا دوست ہے دشمن کسی کا

دلِ ویراں کو جب دیکھا تو بولے
یہ ہے اُجڑا ہوا مسکن کسی کا

کہا غنچے سے مرجھا کر یہ گل نے
ہمیشہ کب رہا جوبن کسی کا

پڑا تھا ہائے کس کمبخت کے ہاتھ
کہ ہے مسلا ہوا دامن کسی کا

کلیجا تھام لو گے جب سنو گے
نہ سنوائے خدا شیون کسی کا

گرے گی طور پر اک اور بجلی
چمکتا ہے رخِ روشن کسی کا

گئے وہ جانبِ گورِ عزیزاں
برابر ہو گیا مدفن کسی کا

مرے ماتم میں وہ آئیں تو کہنا
کریں غم آپ کے دشمن کسی کا

کسی کا دم نکلتا ہے کسی سے
کسی پر حال ہے روشن کسی کا

تجلی روزنِ دل سے عیاں ہے
جھروکے سے ہوا درشن کسی کا

وہ پہروں دیکھتے ہیں داغ کے داغ
کسی کی سیر ہے گلشن کسی کا

گیا ہے عرشِ معلیٰ پہ شور نالوں کا
خدا بھلا کرے آزار دینے والوں کا

انھیں جو بحث قیامت سے ہے قیامت کی
عجیب حال دگرگوں ہے پائمالوں کا

وہ پنا دستِ حنائی بھی رکھتے ڈرتے ہیں
علاج کون کرے میرے دل کے چھالوں کا

ابھی سے پرسشِ اعمال ہو گئی پہلے
جواب سہل نہیں تمہارے سوالوں کا

فلک پہ شمس و قمر ہیں زمیں پہ لالہ و گل
مگر جواب کہاں ہے تمہارے گالوں کا

کہا یہ برقِ تجلی سے طور نے جل کر
ہمارا کیا ہے یہ حصہ ہے خوش جمالوں کا

ہر ایک مارِ سیہ زلف و گیسو و کاکل
تمہارے بال ہیں یا کھیت ہے یہ کالوں کا

کہیں نہیں تری درگاہ کے سوا یارب — فلک زدوں کا ٹھکانا تباہ حالوں کا

وہ پھول والوں کا میلا وہ سیر یاد ہے داغ
وہ روز جھرنے پہ جمگھٹ پری جمالوں کا

ردیف ب

بزم سے آخر شب ہے سفر جام شراب — شام غربت ہوئی ساقی سحر جام شراب
مست و سرشار کو سرشار سنبھالے کیا خاک — نہ تھمی دست سبو سے کمر جام شراب
کثرت مجمع اغیار سے محروم رہا — نہ ہوا بزم میں مجھ تک گذر جام شراب
محتسب دے گا جواب اپنے ستم کا تو کیا — کل جو کوثر پہ ہوا داد گر جام شراب
یہ بھی اے محتسب اس لال پری کا ہے اثر — اڑ کے پہنچی ہے جو تجھ تک خبر جام شراب
خون رو دیگا مری پیاس سے یہ اے ساقی — کوئی پتھر کا نہیں ہے جگر جام شراب
بزم دشمن میں رہے آپ تو صوفی بنکر — سرخ آنکھوں میں کہاں ہے اثر جام شراب
مئے گلرنگ بنا ہجر میں خونابۂ دل — چشم ناسور ہوئی چشم تر جام شراب

نہیں معلوم کہ اے داغ ہے تو کس دھن میں
نہ تلاش بت مہوش نہ سر جام شراب

میرے ہی دم سے مہر و وفا کا نشاں ہے اب — تجھسا اگر نہیں ہے تو مجھ سا کہاں ہے اب
اک اک گھڑی ہے وعدے کی اک اک برس مجھے — تم دو گھڑی کہو مرے ورد زباں ہے اب
کیا مر گیا ہوں دیکھ تو اے چارہ گر مجھے — ان کی زباں سے میری وفا کا بیاں ہے اب
آخر یہ ہو گیا دہن تنگ کا جواب — گنجائش اپنی آپ کے دل میں کہاں ہے اب
اس حال کو پہنچ گئیں دل کی خرابیاں — تیرا مکاں ہے اب نہ خدا کا مکاں ہے اب
باقی ہے آدھی رات مگر اسکا کیا جواب — گھبرا کے وہ یہ کہتے ہیں وقت اذاں ہے اب

سینے سے میرے دست تسلی اٹھائیے
یہ بھی دل نحیف کو بار گراں ہے اب

دیکھو ذرا سی شرم نے سب کچھ مٹا دیا
وہ آنکھ وہ نگاہ وہ چتون کہاں ہے اب

بعد فنا بھی اور مکدر کیا اُسے
میرا غبار میرے لئے آسماں ہے اب

میں کیا کہ اُس نے غیر کو در کا ہو یار ہا
جلتا ہوا رقیب سے بھی پاسباں ہے اب

کیا لطف دوستی کہ نہیں لطف دشمنی
دشمن کو بھی جو دیکھئے پورا کہاں ہے اب

اس دور میں نصیب کہاں عیش جاوداں
غم بھی اگر ملے تو وہی ارمغاں ہے اب

قاصد کی خاک آئی ہے اُڑ کر ہوا کیساتھ
ہر پرزہ پرزہ نامہ کا برگ خزاں ہے اب

یہ کیا کہا کہ حشر کے دن آزمائیں گے
میں خوب جانتا ہوں مرا امتحاں ہے اب

لو اور سنئے شکوۂ وصل رقیب پر
وہ صاف صاف کہتے ہیں فرصت کہاں ہے اب

لایا ہے مجھ کو بخت رسا بزم عیش میں
تجھ سے ڈرو کہ دوست مرا آسماں ہے اب

تم کو یقیں نہیں تو نہ ہو اسکا کیا علاج
کمبخت داغ تم سے بہت بدگماں ہے اب

ردیف ت

عالم یاس میں گھبرائے نہ انساں بہت
دل سلامت ہے تو حسرت بہت ارمان بہت

تنگ ہونے نہ دیا شکر جفا نے مجھ کو
کام آتے ہیں برے وقت میں اوسان بہت

غیر کیواسطے سب طرز ستم بھول گئے
کچھ دوا کیجیے ہے آپ کو نسیان بہت

ہو گیا روز کے صدموں سے کلیجہ پتھر
نکلے ٹوٹے ہوئے قاتل ترے پیکان بہت

کاش دو چار ہزاروں میں تو ہوں کافر عشق
ہم نے کعبے میں بھی دیکھے نہ مسلمان بہت

سر اٹھاتا نہیں تو شرم جفا سے ظالم
یا کئے ہیں کسی کمبخت نے احسان بہت

تم کہ بیداد کرو اور نہ شرماؤ ذرا
ہم کہ ناکردہ گنہ اور پشیمان بہت

حسرتیں روز نئی دل میں بھری جاتی ہیں
تھوڑے تھوڑے بھی ہوئے جاتے ہیں مہمان بہت

سوچیئے دل میں تو ہے عشق نہایت دشوار
نہ سمجھئے تو یہی کام ہے آسان بہت

وعدہ کرتے ہی پلٹ جاؤ ہم اس سے خوش ہیں
دل غمگیں کو خوشی کی تو یہی اک آن بہت

دل سے کسطرح بھلاؤں تجھے اے پردہ نشیں
بیخودی میں بھی تو رہتا ہے ترا دھیان بہت

رنگ لائے گا ترا دستِ حنائی کافر
ایک دن لائینگے اس ہاتھ پہ ایمان بہت

حسرتیں لے تو چلی روحِ عدم کو لیکن
اس مسافر سے چلیگا نہ یہ سامان بہت

نہ ہوئی بات میں اے حضرتِ واعظ تاثیر
یہ مسلم کہ پڑھا آپ نے قرآن بہت

بزم احباب میں اے داغ کبھی تو ہنس بول
دیکھتے ہیں تجھے ہر وقت پریشان بہت

ردیف د

تری گلی سے گو ہو صبا یا نسیم بند
ہوگی نہ بوئے کاکلِ عنبر شمیم بند

گو ان کے گھر سے ہو گئے میرے ندیم بند
رکھتا نہیں ہے کام کسی کا کریم بند

ہوگا دمِ اخیر بھی لب پر مرے الم
ہوگی زبان پڑھ کے الف لام میم بند

بخشے گئے تو حشر میں ہم سیر میں رہے
آخر کو ہو گئے درِ خلدِ نعیم بند

جو خود نہ کھا سکے وہ کھلائے کسی کو کیا
رہتا ہے رات دن درِ گنجِ لئیم بند

قاتل کی طرزِ نیم تبسم اڑاتی ہے
لب نیم وا ہیں زخمِ جگر کے تو نیم بند

ایسی سنی ہیں ہم نے بہت لن ترانیاں
رو کے سے کب ہوئی ہے زبانِ کلیم بند

روکے سے کوئی رکتی ہیں مژگانِ درفشاں
باندھے سے بھی نہ ہو کبھی دستِ کریم بند

چوری سے کوئی رات کو نکلا ہی دیکھئے
دروازہ گھر کا نیم ہے وا، اور نیم بند

ہم بحرِ اشک روک کے رکھتے ہیں آنکھ میں
کوئی کرے تو کوزے میں دریا حکیم بند

یوں میرے دل میں گھر کے رہیں تیری حسرتیں
ہو جائے جیسے قلعے میں فوجِ غنیم بند

اے داغ ان سے جور و جفا کا گلا عبث
تیرے کہے سے ہوگی نہ رسم قدیم بند

ردیف ر

جواب وصل نکلا آپ کے منھ سے نہیں بنکر
شکایت بھی یہاں آئی تو لب پر آفریں بنکر

مکدر ہمکو رکھنا تھا تو یوں اے چرخ رکھنا تھا
کدورت دل میں رہتی اسکے کوچے کی زمیں بنکر

جو کرتے پیروی مجنوں کی ہم کیا ہمکو سودا تھا
مگر وہ دل میں بیٹھا لیلی محمل نشیں بنکر

رموز عشق سے واقف نہیں ہے یہ کہا قاصد
وہی دانا سہی چھٹ جائینگے بھولے ہمیں بنکر

خیال نازکی سے کوئی نالہ کر نہیں سکتا
ہزاروں آفتوں سے بچ گئے تم نازنیں بنکر

یہاں ہم بدنصیبوں کے جو حصے میں نہیں آتی
الہی رہ گئی کیا خوبیٔ قسمت وہیں بن کر

شراب عشق کی ہم نے عجب تاثیر دیکھی ہے
بگڑ کر یہ کہیں دیتی ہے کیفیت کہیں بنکر

کدورت سے بری ہے جو محبت پاک ہوتی ہے
یہی وہ عطر ہے جو روح ٹھہرا ہے زمیں بنکر

نہیں ہوتا اثر خجلت سے لب تک آ نہیں سکتی
رہی ہے آہ سینے میں نگاہ شرمگیں بنکر

خراش سینہ سے یہ دست وحشت گل کھلا دیتا
بگاڑا جیب نے جیب آستیں نے آستیں بن کر

کوئی معشوق سے ایسی زبردستی بھی کرتا ہے
کہ تیرا نام چھپتا ہے مرے دل میں نگیں بن کر

تمہارے لب کے آگے خندۂ گل کا یہ نقشہ ہے
کہ جس صورت کوئی بدشکل اترا ہے حسیں بنکر

عتاب آلودہ چہرے کی ادا پر لوٹ ہو جاتی
مرے دل پر چھری پھرتی تری چین جبیں بنکر

یہ سنتے ہی رہا اک شور برپا انکی محفل میں
گئے تھے رات کو کیا داغ دیوانے نہیں بنکر

مٹ گئے عشق میں گھر سیکڑوں ویراں ہوکر
پھر گئی آنکھ تری گردش دوراں ہوکر

کیوں نہ مر جائے اس چھیڑ پہ قرباں ہوکر
دل میں چبھتی ہے تمنا تری مژگاں ہوکر

جب کہیں جاتے ہو آتے ہو پشیماں ہوکر
تم کو جانا نہیں آتا ابھی مہماں ہوکر

اس کو حسرت نہ رہے دشمنِ ایماں ہوکر
کوئی دن دیکھ لو اے داغؔ مسلماں ہوکر

ہم تو اس داغ کے قائل ہیں جو چمکے تا حشر
دل کے پردے میں چراغِ تہِ داماں ہوکر

دردِ سر ہونے لگا سن کے زیادہ تعریف
اٹھ گئے آج وہ محفل سے پریشاں ہوکر

سانس بیتاب قدم تیز پریشان نظر
آئے ہو کیا طرفِ گورِ غریباں ہوکر

بخیہ گر عیسیٔ مریم ہو تو کیا کام مجھے
غیر کے ہاتھ پڑے میرا گریباں ہوکر

خیر بہتر ہے تغافل ہی سہی سن لینا
جان پر کھیل گیا کوئی پریشاں ہوکر

مصلحت سے نہ کیا جور تو کیا ہوتا ہے
آدمی توبہ کرے دل سے پشیماں ہوکر

نالے رہ جاتے ہیں رگ رگ کے مرے سینے میں
تیر بیٹھا ہے ترا حلق کا درباں ہوکر

یہ ہنر دستِ جنوں کا یہ سلیقہ دیکھو
دھجیاں اڑتی ہیں دامن کی گریباں ہوکر

کس خرابی میں ہیں آزارِ محبت والے
یہ بگڑتا ہے مرض قابلِ درماں ہوکر

غیر کی خاک ترے کوچے میں بیتاب ہوگی
اشک برسے ہیں مری آنکھ سے پیکاں ہوکر

دیکھنے والے ہی سو عیب لگا دیتے ہیں
کوئی جو چاہے کرے آنکھ سے پنہاں ہوکر

اپنے ہاتھوں سے وہ خط چاک کرے تا صد
یہ رہے گا مرے سینے پہ گریباں ہوکر

کیوں نہ ہو زیرِ فلک طالعِ دشمن کو فروغ
بخت چمکا ہے چراغِ تہِ داماں ہوکر

ضعف سے خوش ہوں کہ جب ہاتھ رکھا سینے پر
انگلیاں چبھ گئیں دل میں تری مژگاں ہوکر

اس نزاکت سے یہ ڈر ہے کہ گلے پر میرے
تیری تلوار نہ رہ جائے گریباں ہوکر

تیری حسرت مجھے لائی ہے تری محفل میں
میں نہ نکلوں گا کبھی غیر کا ارماں ہوکر

ہائے ویرانیٔ دل بے سر و سامانیٔ دل
تیرے ارمان بھی کچھ آئے ہیں مہماں ہوکر

نور کس کا ہے مرے دل میں کہ سر آہ کے ساتھ
رہ گئی برقِ تجلی سی نمایاں ہوکر

پاس رہنے کی محبت بھی تو ہو جاتی ہے — کیوں کہیں جائے ہماری شب ہجراں ہو کر

تجھ کو معلوم بھی ہے رات کو در پر تیرے — نالے کرتا ہے کوئی روز غزل خواں ہو کر

داغ تو کعبے سے جاتا ہے جو بت خانے کو
شرم آتی نہیں کم بخت مسلماں ہو کر

دل نکلے کس طرح ترے پیکاں کو چھوڑ کر — جاتا ہے گھر سے کوئی بھی مہماں کو چھوڑ کر

دست جنوں کا اور کریں چارہ گر علاج — سر پیٹتا ہوں جیب و گریباں کو چھوڑ کر

اک پل کی زندگی بھی غنیمت ہے دار پر — ملتے ہیں اشک خاک میں مژگاں کو چھوڑ کر

اہل عدم سے کہہ دو مروت سے دور ہو — تنہا نہ جاؤں گا شب ہجراں کو چھوڑ کر

آیا ہوں تیرے دام میں صیاد باغ سے — اپنی مراد پر گل و ریحاں کو چھوڑ کر

قاتل خدا کے واسطے اک زخم اور بھی — تلوار پھر سنبھال نمکداں کو چھوڑ کر

پوچھا جواں سے آؤ گے کب ہنس کے چپ ہوئے — چہرے پر اپنی زلف پریشاں کو چھوڑ کر

دیکھی نہ ہوگی سیر کبھی اس شکار کی — دیکھو رقیب پر سگ درباں کو چھوڑ کر

ظالم تری نگہ نے کیا کام ہی تمام — نشتر چبھوتے ہیں تو رگ جاں کو چھوڑ کر

محشر سے جائیں خلد میں یارب یہ کب ہوا — حیرت زدہ ہم اس بت حیراں کو چھوڑ کر

دنیا میں اور کوئی نہ ہوتا گناہ گار — پچھتا رہا ہوں دامن عصیاں کو چھوڑ کر

ہر چند رام پور میں گھبرا رہا ہے داغ
کس طرح جائے کلب علیخاں کو چھوڑ کر

جو بل ہے تری زلف گرہ گیر سے باہر — وہ پیچ نہیں ہے مری تقدیر سے باہر[1]

حسرت دل حیراں سے نہ نکلی ہے نہ نکلی — نکہت نہ ہوئی غنچۂ تصویر سے باہر

---

[1] یہ غزل جون ۱۸۸۲ء میں قیام کلکتہ کے زمانہ میں کہی گئی ہے۔

تم گھر سے تو نکلو کوئی آیا ہے مسافر ۔۔۔ تم بات تو کر لو کسی رہ گیر سے باہر

حیران ہیں خود اپنی اداؤں سے جہاں میں ۔۔۔ آئینہ سے وہ گھر میں ہیں تصویر سے باہر

دربان کے جھگڑے نے بڑا کام نکالا ۔۔۔ گھبرا کے وہ نکلے اسی تدبیر سے باہر

در پردہ جو مضمون اسے میں نے لکھا ہے ۔۔۔ ہے کاتبِ اعمال کی تحریر سے باہر

آئے ہو تو اب داغ ستم دیکھتے جاؤ ۔۔۔ آتا ہے جگر نالۂ شبگیر سے باہر

حسرت ہے تری تجھ سے وفادار زیادہ ۔۔۔ نکلی نہ دلِ عاشقِ دلگیر سے باہر

کہتے ہیں مری قبر پہ وہ پھر بھی تو دیکھیں ۔۔۔ یہ مردہ نکالو کسی تدبیر سے باہر

اے صید فگن دل میں کھٹکتا ہے یہ پیکاں ۔۔۔ سوفار رہے سینۂ نخچیر سے باہر

اس تیغ نگہ سے وہ ادا ہوتی ہے ظاہر ۔۔۔ شمشیر نکل آتی ہے شمشیر سے باہر

دل ناوکِ مژگاں تو جگر تیر نگہ لے ۔۔۔ اس تیر سے باہر ہوں نہ اس تیر سے باہر

نقشِ قدمِ غیر کو اس کوچے میں دیکھا ۔۔۔ یہ پاؤں نہ ہوں حلقۂ زنجیر سے باہر

اک چشمہ ہو تو اور ہو اک چشمۂ کوثر ۔۔۔ دو قطرے ہیں آبِ دمِ شمشیر سے باہر

دلی سے تو کلکتے میں پہنچے مگر اے داغ

کیونکر ہوں حصارِ فلکِ پیر سے باہر

غیر بھی میری طرح کرتے ہیں آہیں کیونکر ۔۔۔ میں بھی دیکھوں کہ پلٹتی ہیں نگاہیں کیونکر

پھر ہے عہدِ جوانی کی امنگ اور ترنگ ۔۔۔ دل بھی مانے وہ رقیبوں کو نہ چاہیں کیونکر

نہ دلاسا نہ تسلی نہ تشفی نہ وفا ۔۔۔ دوستی اس بتِ بدخو سے نباہیں کیونکر

زیرِ دیوار کبھی جھانک کے تم دیکھ تو لو ۔۔۔ ناتواں کرتے ہیں دل تھام کے آہیں کیونکر

چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو ۔۔۔ وہ طریقہ تو بتاؤ تمہیں چاہیں کیونکر

جب وہ آنکھوں میں سمائے مرے دل میں آئے ۔۔۔ بند ہوں ناصحِ نافہم یہ راہیں کیونکر

شرم سے آنکھ ملاتے نہیں دیکھا ان کو ۔۔۔ پار ہوتی ہیں کلیجے سے نگاہیں کیونکر

درد مندوں سے کہاں ضبط فغاں ہوتا ہے
چپکے چپکے ترے بیمار کراہیں کیونکر

یہ چلن کس نے سکھائے یہ طریقے کس نے
آگئیں جور و جفا کی تمہیں راہیں کیونکر

لالہ و گل کو جو دیکھا تو کہا مجنوں نے
سر پہ کانٹوں کے ہوں یہ سرخ کلاہیں کیونکر

غیر کی چاہ کا دم بھرتے ہو تم کیا جانو
نالے کس طرح کیا کرتے ہیں آہیں کیونکر

داغ وہ چاہتے ہیں غیر کو چاہے یہ بھی
جو برا چاہے ہمارا اسے چاہیں کیونکر

ردیف م

محشر میں بھی کسی کے اٹھائیں گے ناز ہم
ایسے نیاز مند ہیں اے بے نیاز ہم

چاہیں پئے نشاط سلیماں سے تخت و بخت
مانگیں مسیح و خضر سے عمر دراز ہم

کیا کیا بہانے موت سے کرتے ہیں رات دن
تجھ سے زیادہ ہجر میں ہیں حیلہ ساز ہم

دل سے موافقت ہے نہ دلبر سے اتفاق
بے لاگ ہیں کسی سے نہیں رکھتے ساز ہم

ہوگی فقط شریک دعا ایک بیکسی
میت پہ اپنی آپ پڑھیں گے نماز ہم

انسان کی مجال یہ طاقت بشر کی ہے
تم جانتے ہو جیسے اٹھاتے ہیں ناز ہم

دل کی بری بھلی کو سمجھ لے پیامبر
کیا دخل دیں کہ اس کے نہیں ہیں مجاز ہم

واعظ بھی یہ نہ کہہ دے کہ پیدا ہی کیوں ہوئے
دنیا میں آئیں اور رہیں پاکباز ہم

اس میں بھی کوئی بھید ہے تم جانتے نہیں
کہتے ہیں ایک ایک سے کیوں دل کے راز ہم

جب سنتے ہیں کہ آپ پہ دو چار مر گئے
دلواتے ہیں رقیبوں کی اپنے نیاز ہم

وہ دن گئے کہ داغ تھی ہر دم بتوں کی یاد
پڑھتے ہیں پانچ وقت کی اب تو نماز ہم

ردیف ن

شبِ وصل بھی لب پہ آئے گئے ہیں
یہ نالے بہت منھ لگائے گئے ہیں

خدا جانے ہم کس کے پہلو میں ہونگے
عدم کو سب اپنے پرائے گئے ہیں

وہی راہ ملتی ہے چل پھر کے ہم کو
جہاں خاک میں دل ملائے گئے ہیں

مرے دل کی کیونکر نہ ہو پائمالی
بہت اس میں ارمان آئے گئے ہیں

گلے شکوے چھوٹے بھی تھے کس مزے کے
ہم الزام دانستہ کھائے گئے ہیں

نگہ کو جگر زلف کو دل دیا ہے
یہ دونوں ٹھکانے لگائے گئے ہیں

رہے چپ نہ ہم بھی دمِ عرضِ مطلب
وہ اک اک کی سو سو سنائے گئے ہیں

فرشتے بھی دیکھیں تو کھل جائیں آنکھیں
بشر کو وہ جلوے دکھائے گئے ہیں

چلو حضرتِ داغؔ کی سیر دیکھیں
وہاں آج وہ بھی بلائے گئے ہیں

بت کو بت اور خدا کو جو خدا کہتے ہیں
ہم بھی دیکھیں تو اسے دیکھ کے کیا کہتے ہیں

ہم تصور میں بھی جو بات ذرا کہتے ہیں
سب میں اڑ جاتی ہے ظالم اسے کیا کہتے ہیں

کچھ تمہارے لب اعجاز نما کہتے ہیں
پر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا کہتے ہیں

سب مجھے شیفتۂ ناز و ادا کہتے ہیں
تم تو کہتے ہی نہیں کچھ اسے کیا کہتے ہیں

جو بھلے ہیں وہ بُرے کو بھی بھلا کہتے ہیں
نہ برا سنتے ہیں اچھے نہ برا کہتے ہیں

بزمِ احباب و مئے ناب و وصالِ معشوق
اب کسی شے میں نہیں جس کو مزا کہتے ہیں

نالہ بیساختہ قاصد کی زباں سے نکلا
کوئی رکتا ہے جسے تیرِ قضا کہتے ہیں

اس کے ہاتھوں سے ہی ذلت و خواری ہوگی
غیر ابھی تو خبر لیں مجھے کیا کہتے ہیں

سخنِ شاہ و گدا خیر سے خالی نہ سنا
وہ دعا کرتے ہیں سب کو یہ دعا کہتے ہیں

میں گنہگار اگر عشق مجازی ہے گناہ — میں خطاوار اگر اس کو خطا کہتے ہیں

دعویٔ مہر و وفا اُن کی زباں پر آیا — اور سنئیے کہ وہ میرا ہی کہا کہتے ہیں

کوئی خوبی نظر آتی نہیں تجھ میں ظالم — اے فلک پیری و صد عیب بجا کہتے ہیں

وقت ملنے کا جو پوچھا تو کہا کہہ دیں گے — غیر کا حال جو پوچھا تو کہا کہتے ہیں

چوٹ کھانے سے جو دل ٹوٹ گیا ہے اپنا — لوگ اس کو بھی ترا عہد وفا کہتے ہیں

نہیں ملتا کسی مضموں میں ہمارا مضمون — طرز اپنا ہے جدا سب سے جدا کہتے ہیں

کیا سناتے ہو کہ ہم قتل کریں گے تجھکو — اس کو ہم مژدۂ اندوہ ربا کہتے ہیں

شکوۂ ہجر پر اس شوخ نے مجھکو لکھا — جو رہے دل میں کہیں اسکو جدا کہتے ہیں

پہلے تو داغ کی تعریف ہوا کرتی تھی
اب خدا جانے وہ کیوں اسکو برا کہتے ہیں

اس کی شرارتیں بھی قیامت سے کم نہیں — دل تجھسے بڑھ کے ہے کسی صورت سے کم نہیں

اندوہ و درد و یاس و غم و رنج اپنے پاس — جو کچھ ہے وہ تمہاری عنایت سے کم نہیں

دنیا میں ان بتوں نے جلایا ہے اسقدر — دوزخ بھی میرے واسطے جنت سے کم نہیں

مژگاں نے تیری چاک کئے عاشقوں کے دل — دست مژہ بھی پنجۂ وحشت سے کم نہیں

وہ لذت وصال سے لیتے ہیں جان و دل — یہ مہربانیاں بھی عداوت سے کم نہیں

کیا ماجرا لکھوں دلِ امیدوار کا — اک آرزو ہزار مصیبت سے کم نہیں

یہ ناز یہ نگاہ یہ چھل بل یہ شوخیاں — تم اس سے بھی سوا ہو قیامت سے کم نہیں

اس کا ثواب لوٹنے والے بھی تو ہیں — نظارہ میکدے کا عبادت سے کم نہیں

ہے شام ہی سے وصل میں مجھکو تلاش صبح — یہ انتظار بھی مری حسرت سے کم نہیں

وہ اپنے دل میں خوش ہوں یہ ہی بات ہے کچھ اور — شکر جفا وگرنہ شکایت سے کم نہیں

خون جگر کمی نہ کروں گا تمام عمر — جو رزق مل گیا مجھے قسمت سے کم نہیں

تو نے دیا فروغ تو ہے داغ آفتاب
ذرہ بھی ورنہ اسکی حقیقت سے کم نہیں

مجال کسکی ہے اے ستمگر سنائے تجھکو جو چار باتیں
بھلا کیا اعتبار تو نے ہزار منہ ہیں ہزار باتیں

رقیب کا ذکر وصل کی شب پھر اسپہ تاکید ہے کہ سنیئے
نہیں تو اک داستان ٹھہری ہیں یہ ہی ناگوار باتیں

انھیں نہ کیوں عذر درد سر ہو جب اسطرح کا ہو یار بیہودہ
غضب کیا عمر بھر کی اپنے تمام کیں ایکبار باتیں

جو کیفیت دیکھنی ہے زاہد تو چل کے تو دیکھ میکدے میں
بہک بہک کر مزے مزے کی سنائینگے بادہ خوار باتیں

نگاہیں دشنام دے رہی ہیں ادائیں پیغام دے رہی ہیں
کبھی نہ بھولینگے حشر تک ہم رہینگی یہ یادگار باتیں

بہل ہی جائیگا دل ہمارا کہ ہجر کی شب کو رحم کھا کر
تمہاری تصویر بول اٹھیگی کریگی بے اختیار باتیں

ہمارے سر کی قسم نہ کھاؤ قسم ہے ہم کو یقیں نہوگا
تمہارے ناپائدار وعدے تمہاری بے اعتبار باتیں

مرے جنازے پہ کیوں وہ آئے کہ الٹے طعنے مجھے سنانے
کہا کئے جو زباں پہ آیا سنا کئے سوگوار باتیں

فسانہ درد غم سنایا تو بولے وہ جھوٹ بولتا ہے
سنی ہوئی ہے بہت کہانی نہ ہم سے ایسی بگھار باتیں

مزا ہو اسوقت جھوٹ سچ کا کھلے کہ ہے کون راستی پر
خدا کے آگے مری تمہاری اگر ہوں روز شمار باتیں

ابھی سے ہے کچھ اداس قاصد ابھی سے ہے بدحواس قاصد
سنبھل سنبھلکر سمجھ سمجھ کر کریگا کیا بیقرار باتیں

تمہاری تحریر میں ہے پہلو تمہاری تقریر میں ہے جادو
پھنسے نہ کسطرح دل ہمارا جہاں ہو یہ پیچدار باتیں

بُری بلا ہے یہ داغ پرفن تم اسکو ہرگز نہ منہ لگانا
وگرنہ ڈھب پر لگا ہی لیگا سنیں اگر اسکی چار باتیں

بتانِ ماہ وش اُجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
کہ جسکی جان جاتی ہے اسی کے دلمیں رہتے ہیں

ہزاروں داغ پنہاں عاشقوں کے دلمیں رہتے ہیں
شرر پتھر کی صورت انکی آب و گل میں رہتے ہیں

زمیں پر پاؤں نفرت سے نہیں رکھتے پری پیکر
یہ گویا اس مکاں کی دوسری منزل میں رہتے ہیں

محبت میں مزا ہے چھیڑ کا لیکن مزے کی ہو
ہزاروں لطف ہر اک شکوۂ باطل میں رہتے ہیں

خدا رکھے سلامت جنکو انکو موت کب آئے
تڑپتے لوٹتے ہم کوچۂ قاتل میں رہتے ہیں

ہزاروں حسرتیں وہ ہیں کہ روکے سے نہیں رکتیں
بہت ارمان ایسے ہیں کہ دل کے دل میں رہتے ہیں

یہاں تک تھک گئے ہیں چلتے چلتے تیرے ہاتھوں سے
کہ اب چھپ چھپ کے ناوک سینۂ بسمل میں رہتے ہیں

نہ دیکھے ہونگے رندوں سے بھی تونے پاک اے زاہد
کہ یہ بیداغ میخانے کی آب گل میں رہتے ہیں

محیط عشق کی ہر موج طوفاں خیز ایسی ہو
وہ ہیں گرداب ہیں جو دامن ساحل میں رہتے ہیں

خدا رکھے محبت نے کئے آباد دونوں گھر
میں انکے دل میں رہتا ہوں وہ میرے دل میں رہتے ہیں

جو ہوتی خوبصورت تو نہ چھپتی قیس سے لیلیٰ
مگر ایسے ہی بے پردہ محمل میں رہتے ہیں

ہمارے سائے سے بچتا ہے ہر اک بزم میں انکی
ہمیں دیکھو کہ ہم تنہا بھری محفل میں رہتے ہیں

سراغ مہر و الفت غیر کے دل میں نہ پائینگے
عبث وہ راتدن اس سعی بے حاصل میں رہتے ہیں

بتوں کو محرم اسرار تونے کیوں کیا یارب
کہ یہ کافر ہر اک خلوت سرائے دل میں رہتے ہیں

فلک دشمن ہوا گردش زدوں کو جب ملی راحت
زیادہ راہ سے کھٹکے مجھے منزل میں رہتے ہیں

تن آسانی کہاں تقدیر میں ہم دل گرفتوں کی
خدا پر خوب روشن ہے کہ جس مشکل میں رہتے ہیں

رہے پیر مغاں کے پاس کیونکر شیخ مصنوعی
جو رہتے ہیں تو کامل صحبت کامل میں رہتے ہیں

ہمیں دشوار جینا عار تم کو قتل کرنیسے
بڑی مشکل میں رکھتے ہو بڑی مشکل میں رہتے ہیں

کوئی نام و نشاں پوچھے تو اے قاصد بتا دینا
تخلص داغ ہے وہ عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

یہ کیا کہا کہ داغ کو پہچانتے نہیں
وہ ایک ہی تو شخص ہے تم جانتے نہیں

بد عہدیوں کو آپ کی کیا جانتے نہیں
کل مان جائیں گے اسے ہم مانتے نہیں

وعدہ ابھی کیا تھا ابھی کھائی تھی قسم
کہتے ہو پھر کہ ہم تجھے پہچانتے نہیں

چھوڑے گی حشر تک نہ یہ مہندی لگی ہوئی
تم ہاتھ میرے خون میں کیوں سانتے نہیں

مہر و وفا کا کب انھیں آتا ہے اعتبار
جبتک اسے وہ خوب طرح چھانتے نہیں

سر باز و جاں نثار محبت وہ ہیں دلیر
رستم بھی ہو تو کچھ اسے گردانتے نہیں

ان کا ہی مدعا تھا مرا مدعا نہ تھا　پر کیا کروں کہ وہ تو مری مانتے نہیں
تن جائیں گے جو سامنے آئیگا آئینہ　دیکھیں تو کس طرح وہ بھویں تانتے نہیں
نکلا ہے جو زبان سے اسکو نباہئے　ایسی وہ اپنے دل میں کبھی ٹھانتے نہیں
جب دیکھتے ہو مجھ کو چڑھاتے ہو آستیں　دامن عدو کے قتل پہ گردانتے نہیں
کیا داغ نے کہا تھا جو ایسے بگڑ گئے
عاشق کی بات کا تو برا مانتے نہیں

پردے پردے میں عتاب اچھے نہیں　ایسے انداز حجاب اچھے نہیں
میکدے میں ہو گئے چپ چاپ کیوں؟　آج کچھ مست شراب اچھے نہیں
جب سوال وصل پہ کرتا ہوں ضد　ڈر کے دیتے ہیں جواب اچھے نہیں
والہ و شیدا کہو تم غیر کو　اسکے جانب یہ خطاب اچھے نہیں
اے فلک کیا ہے زمانے کی بساط　دمبدم کے انقلاب اچھے نہیں
صورت اچھی ہو تو سیرت ہو بری　ایسے معشوق انتخاب اچھے نہیں
تو بھی اسکی زلف پیچاں ہو گیا　اے دل ایسے پیچ و تاب اچھے نہیں
اور سنیئے مجھ کو سمجھاتے ہیں وہ　ڈھنگ یہ خانہ خراب اچھے نہیں
کوئی بزم وعظ سے کہتا گیا　ایسے جلسے بے شراب اچھے نہیں
توبہ کرلیں ہم مئے و معشوق سے　بے مزہ ہیں یہ ثواب اچھے نہیں
اک نجومی داغ سے کہتا تھا آج
آپ کے دن اے جناب اچھے نہیں

کیا کہوں تجھکو جو ہے ہر دفسونگر نہ کہوں　جسکو دنیا کہے اس بات کو کیونکر نہ کہوں
سنگدل کہنے سے تو آپ برا مان گئے　یہ جو کچھ سینے میں ہے اسکو بھی پتھر نہ کہوں
فائدہ کیا جو کہوں تم سے مصیبت اپنی　سامنے داور محشر کے یہ دفتر نہ کہوں

مہربانی سے کسی شخص نے پوچھا ہو مزاج — سخت مشکل ہو کہ حال دل مضطر نہ کہوں
چھیڑ کر حال عدو چھیڑ سے چپ ہو جاؤں — وہ کہیں پھر کہو میں اسکو مکرر نہ کہوں
بات کہنے کا مزہ کیا جو غلط تم سمجھو — گر یقیں ہو تو کہوں گر نہ ہو باور نہ کہوں
میری شامت ہی کہوں آپکا بگڑا ہی مزاج — اسکو بگڑا ہوا میں اپنا مقدر نہ کہوں
دلکی تاکید ہے ہر حال میں ہو پاس وفا — کیا ستم ہے کہ ستمگر کو ستمگر نہ کہوں
غیر کا حال چھپائے سے کوئی چھپتا ہو — گو کسی وجہ سے میں آپ کے منھ پر نہ کہوں
غیر کیواسطے دیدار بھی ہے داد بھی ہے — کس طرح گھر کو ترے عرصۂ محشر نہ کہوں

اب کے کچھ منھ سے نکالا تو تمہیں جانوگے
داغ پھر مجھ کو نہ کہنا جو برابر نہ کہوں

پھنسی ہوئی ہے یہ گردن بتوں کے پھندوں میں — چھڑا دے کوئی ہو آشنا خدا کے بندوں میں
جنوں کی خانہ خرابی سے اب کہاں فرصت — پھنسا ہوا ہوں یہ دن رات گھر کے دھندوں میں
اسی سے ہوتے ہیں انداز بے نیازی کے — جو ہے قدیم تمہارے نیازمندوں میں
اڑا جو لیکے خط شوق ہو گیا عنقا — وہ تیز پر ہے کبوتر مرا پرندوں میں
نکل کے جائے کہاں دل تمہاری زلفوں سے — پھنسا ہے ایک یہ نخچیر دو کمندوں میں
خدا کا ذکر تو اس بت کے سامنے کرتے — مگر وہ ایک ہی کافر ہے خود پسندوں میں
نکال لیتے ہیں رو رو کے ہم بھی دلکا بخار — جو بیٹھ جاتے ہیں دو چار دردمندوں میں
چڑھا دے نیزے پر سر میرا کاٹ کر قاتل — کہ یہ شہید بھی نامی ہو سر بلندوں میں

ہوئی ہے داغ محبت میں تھوڑی بدنامی
یہ منھ دکھانے کے قابل ہے بھائی بندوں میں

راہ پر انکو لگا لائے تو ہیں باتوں میں — اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں
یہ بھی تم جانتے ہو چند ملاقاتوں میں — آزمایا ہے تمہیں ہم نے کئی باتوں میں

غیر کے سر کی بلائیں جو نہیں لیں ظالم
کیا مرے قتل کو بھی جان نہیں ہاتوں میں

ابر رحمت ہی برستا نظر آیا زاہد
خاک اڑتی کبھی دیکھی نہ خراباتوں میں

یارب! اس چاند سے ٹکڑے کو کہاں سے لاؤں
روشنی جسکی ہو ان تاروں بھری راتوں میں

تمہیں انصاف سے اے حضرت ناصح کہہ دو
لطف ان باتوں میں آتا ہے کہ ان باتوں میں

دوڑ کر دست دعا ساتھ دعا کے جاتے
ہائے پیدا نہوئے پاؤں مرے ہاتھوں میں

کیا قیامت ہے اس ارمان بھرے کی حسرت
ایک شب جس کو میسر نہو سو راتوں میں

جلوۂ یار سے جب بزم میں غش آیا ہے
تو رقیبوں نے سنبھالا ہے مجھے ہاتوں میں

ایسی تقریر سنی تھی نہ کبھی شوخ و شریر
تیری آنکھوں کے بھی فتنے ہیں تری باتوں میں

عہد جمشید میں تھا لطف مے و ابر ہوا
کب یہ معشوق تھے اسوقت کی برساتوں میں

ہم سے انکار ہوا غیر سے اقرار ہوا
فیصلہ خوب کیا آپ نے دو باتوں میں

ہفت افلاک ہیں لیکن نہیں کھلتا یہ حجاب
کونسا دشمن عشاق ہے ان ساتوں میں

اور سنئے ابھی رندوں سے جناب واعظ
چلدیئے آپ تو دو چار ہی صلواتوں میں

ہم نے دیکھا انھیں لوگوں کو ترا دم بھرتے
جنکی شہرت تھی یہ ہرگز نہیں ان باتوں میں

بھیجے دیتا ہے انھیں عشق متاع دل و جاں
ایک سرکار لٹی جاتی ہے سوغاتوں میں

دل کچھ آگاہ تو ہو شیوۂ عیاری سے
اس لیئے آپ ہم آتے ہیں تری گھاتوں میں

وصل کیسا وہ کسی طرح بہلتے ہی نہ تھے
شام سے صبح ہوئی ان کی مداراتوں میں

وہ گئے دن جو رہے یاد بتوں کی اے داغ
رات بھر اب تو گذرتی ہے مناجاتوں میں

نگاہ پھیر کے عذر وصال کرتے ہیں
مجھے وہ الٹی چھری سے حلال کرتے ہیں

زبان قطع کرو دل کو کیوں جلاتے ہو
اسی سے شکوہ اسی سے سوال کرتے ہیں

نہ دیکھی نبض نہ پوچھا مزاج بھی تم نے
مریض غم کی یونہی دیکھ بھال کرتے ہیں

مرے مزار کو وہ ٹھوکروں سے ٹھکرا کر
فلک سے کہتے ہیں یوں پائمال کرتے ہیں

پس فنا بھی مری روح کانپ جاتی ہے
وہ روتے روتے جو آنکھوں کو لال کرتے ہیں

ادھر تو کوئی نہیں جس سے آپ ہیں مصروف
ادھر کو دیکھیے ہم عرض حال کرتے ہیں

یہی ہے فکر کہ ہاتھ آئے تازہ طرز ستم
یہ کیا خیال ہے وہ کیا خیال کرتے ہیں

وہاں فریب و دغا میں کمی کہاں توبہ
ہزار چال کی وہ ایک چال کرتے ہیں

نہیں ہے موت سے کم اک جہان کا چکر
جناب خضر یونہی انتقال کرتے ہیں

چھری نکالی ہے مجھ پر عدو کی خاطر سے
پرائے واسطے گردن حلال کرتے ہیں

یہاں یہ شوق، وہ نادان مدعا نایاب
انھیں جواب بتا کر سوال کرتے ہیں

ہزار کام مزے کے ہیں داغ الفت میں
جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں

بھویں تنی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے کہ وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

دلوں پر سیکڑوں سکے ترے جوبن کے بیٹھے ہیں
کلیجوں پر ہزاروں تیر اس چتون کے بیٹھے ہیں

الٰہی کیوں نہیں اٹھتی قیامت ماجرا کیا ہے
ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

یہ گستاخی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے اے دل ناداں
ابھی پھر روٹھ جائینگے ابھی وہ من کے بیٹھے ہیں

اثر ہے جذب الفت میں تو کھینچکر آہی جائینگے
ہمیں پروا نہیں ہم سے اگر وہ تن کے بیٹھے ہیں

سبک ہو جائینگے گر جائینگے وہ بزم دشمن میں
کہ جبتک گھر میں بیٹھے ہیں وہ لاکھوں من کے بیٹھے ہیں

فسوں ہے یا دعا ہے یا معمہ کھل نہیں سکتا
وہ کچھ پڑھتے ہوئے آگے مرے مدفن کے بیٹھے ہیں

بہت رویا ہوں میں جب سے یہ میں نے خواب دیکھا ہے
کہ آپ آنسو بہاتے سامنے دشمن کے بیٹھے ہیں

کھڑے ہوں زیر طوبیٰ وہ نہ دم لینے کو دم بھر بھی
جو حسرتمند تیرے سایۂ دامن کے بیٹھے ہیں

تلاش منزل مقصد کی گردش اٹھ نہیں سکتی
کمر کھولے ہوئے رستے میں ہم رہزن کے بیٹھے ہیں

یہ جوش گریہ تو دیکھو کہ جب فرقت میں رویا ہوں
در و دیوار اک پل میں مرے مدفن کے بیٹھے ہیں

نگاہ شوخ و چشم شوق میں در پردہ چھنتی ہے — کہ وہ چلمن میں ہیں نزدیک ہم چلمن کے بیٹھے ہیں
یہ اٹھنا بیٹھنا محفل میں انکا رنگ لائیگا — قیامت بن کے اٹھینگے بھبھوکا بن کے بیٹھے ہیں
کسی کی شامت آئیگی کسی کی جان جائیگی — کسیکی تاک میں وہ بام پر بن ٹھن کے بیٹھے ہیں
قسم دیکر انھیں سے پوچھ لو تم رنگ ڈھنگ اسکے — تمہاری بزم میں کچھ دوست بھی دشمن کے بیٹھے ہیں

کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتے[1] چلے جائیں
عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

محبت میں آرام سب چاہتے ہیں — مگر حضرت داغ کب چاہتے ہیں
خطا کیا ہے انکی جو اس بت کو چاہا — خدا چاہتا ہے تو سب چاہتے ہیں
وہی ان کا مطلوب و محبوب ٹھہرا — بجا ہے جو اسکی طلب چاہتے ہیں
مگر عالم یاس میں تنگ آکر — یہ سامان آفت عجب چاہتے ہیں
اجل کی دعا ہر گھڑی مانگتے ہیں — غم و درد و رنج و تعب چاہتے ہیں
نہ تفریح آسائش دل کی خواہش — نہ سامان عیش و طرب چاہتے ہیں
قیامت بپا ہو نزول بلا ہو — یہی آجکل روز و شب چاہتے ہیں
نہ معشوق فرخار سے انکو مطلب — نہ یہ جام بنت العنب چاہتے ہیں
نہ جنت کی حسرت نہ حوروں کی پروا — نہ کوئی خوشی کا سبب چاہتے ہیں
نرالی تمنا ہے اہل کرم سے — ستم چاہتے ہیں غضب چاہتے ہیں
نہ ہو کوئی آگاہ راز نہاں سے — خموشی کو بہ مہر لب چاہتے ہیں
خدا ان کی چاہت سے محفوظ رکھے — یہ آزار بھی منتخب چاہتے ہیں

---

[1] اواخر ماہ مئی یا اوائل ماہ جون ۱۸۸۱ء میں یہ غزل عظیم آباد (بہار) میں لکھی گئی ہے جو وہیں کی طرح میں وہیں کے مشاعرے میں پڑھی گئی ۔

آفتاب داغ

غم عشق میں داغ مجبور ہو کر
کبھی جو نہ چاہا وہ اب چاہتے ہیں

تمام رات وہ جاگیں وہ سوئیں سارے دن
خبر ہی کیا انھیں کیونکر کٹے ہمارے دن

خدا بچائے قیامت کے ہیں تمہارے دن
یہ پیاری پیاری جوانی یہ پیارے پیارے دن

مجھے گذرتی ہے اک اک گھڑی قیامت کی
جو اسطرح سے گذارے تو کیا گذارے دن

کسی کے جاتے ہی گھر میں ہوئی وہ تاریکی
چراغ میں نے جلائے ہیں آج سلیے دن

وہ بدنصیب ہوں آئے نہ یہ قیامت تک
جو میرے ساتھ شب وصل کو پکارے دن

تمہاری طرح بھی ہوگا نہ کوئی ہرجائی
تمام رات کہیں ہو کہیں ہو سارے دن

مرے جگر پہ ہیں داغ فراق روز فراق
دکھا رہا ہے چمکتے ہوئے ستارے دن

شب فراق ہو کیونکر نصیب روز فراق
کہ زلف لیلیٰ و شب کسطرح گذارے دن

لڑیں جو غیر کی عشرت سے اپنے لیل و نہار
تو رات رات سے ہو سات دن سے ہارے دن

انھوں نے وعدہ کیا آج شب کے آنیکا
خوشی تو جب ہے خدا خیر سے گزارے دن

ہمیشہ تم کو مبارک ہو داغ روز نشاط
یہ پھرے ہمارے بھی جیسے پھرے تمہارے دن

درد دل کا کوئی پہلو جو نکالوں تو کہوں
اپنے روٹھے ہوئے دلبر کو منالوں تو کہوں

زہر سے کم نہیں احباب کے طعنے مجھ کو
جو ہے دل میں انھیں دیوانہ بنالوں تو کہوں

پوچھتے کیا ہو یہ کیسا ہے کتابی چہرا
پہلے میں ہاتھ میں قرآں اٹھالوں تو کہوں

جو مرے دل میں ہے کہتے ہوئے جی ڈرتا ہے
گدگدا لوں تو کہوں پاؤں دبالوں تو کہوں

میں نے جو پائی ہے اس تیغ ادا میں لذت
سامنے خضر و مسیحا کو بٹھالوں تو کہوں

شب ہجراں میں جو کچھ اس سے ہوئی من باتیں
تیری تصویر کو سینے سے لگالوں تو کہوں

یاں بہک سکے مرا حال اکھڑ جائیں گے
ہمنشیں میں انھیں باتوں میں لگالوں تو کہوں

میں ہوں بیتاب وہ بدمست فسانہ ہے دراز — دل کو تھاموں تو کہوں انکو سنبھالوں تو کہوں

رات بھر ہجر میں جاگا ہوں میں اے داور حشر — حال دل کوئی گھڑی آنکھ لگالوں تو کہوں

ہتکنڈے غیر کے سنکر مجھے مکراؤ گے — پہلے دو چار گواہی کو بلالوں تو کہوں

حال غم کیلئے اسکی بھی شہادت ہے ضرور — ڈیڑھ انچھ دل مضطر کو بڑھالوں تو کہوں

جو گذرتی ہے مرے دم پہ نہ پوچھو مجھ سے — گالیاں عشق و محبت کو سنالوں تو کہوں

داغ پابند قفس ہوں نہیں کچھ کرسکتا
دام صیاد سے میں چھوٹ کے جالوں تو کہوں

جو پرزے ہو نہ صحرا میں جو ٹکڑے ہو نہ گلشن میں — گریباں میں گریباں ہو نہ وہ دامن ہو دامن میں

قیامت کی تجلی ہے تمہارے روئے روشن میں — مجھے ڈر ہے کہ دیکھو آگ لگجائے نہ چلمن میں

تمہارے واسطے میں غیر کو تنہا نہ چھوڑونگا — سمجھ لینا کہ وہ مردے گڑینگے ایک مدفن میں

کسیکے خوف سے جی کھولکر رویا نہیں جاتا — کہ جو آنسو ٹپکتا ہے چھپا لیتا ہوں دامن میں

گرے کوسوں الگ خوف و خطر سے کانپ کر بجلی — اگر تخم محبت ایک بھی ہو سارے خرمن میں

مسخر کرلیا آخر کو بنگالے کے جادو نے — ٹرا ابل آگے آیا ہم جو بولے تھے لڑکپن میں

مزا جب ہے کہ اس انداز سے ہوں پیار کی باتیں — ہمارا ہاتھ سینے پر تمہارا ہاتھ گردن میں

کبھی ہم وحشیوں کے گھر کی آبادی نہیں جاتی — اگر کوئی نہو تو خانہ ویرانی ہے مسکن میں

بنایا آپ نے تعلیم دیکر اپنے مطلب کا — بھلا کیونکر نہ ساری خوبیاں پیدا ہوں دشمن میں

نئے گل پھولتے ہیں کیا نرالے رنگ کھلتے ہیں — بہاریں جو تری محفل میں ہیں کب ہیں وہ گلشن میں

غضب ہے داغ یہ دن رات یہ برسات یوں گذرے
کہاں وہ رشک گل جھولا جھلائیں جسکو ساون میں

کچھ آنے لگا جب سے اثر آہ رسا میں — دل اور ہوا میں ہے جگر اور ہوا میں

تمکیں تری شوخی میں تو شوخی ہے حیا میں — غمزے ترے انداز میں انداز ادا میں

دو باتوں کی فریاد ہے درگاہ خدا میں
رحم آئے ترے دل میں اثر میری دعا میں

اغیار نہ روکیں مجھے احباب نہ تھامیں
مل جائے مگر دست سبو لغزش پا میں

اے نامہ بر اس بت کی وہی راہ گذر ہو
سجدے کا نشاں جسکے ہو نقش کف پا میں

آنکھیں تری بیمار ہوئیں شرم جفا سے
زلفیں ہیں گرفتار مرے دل کی بلا میں

اللہ انھیں تو نظر بد سے بچانا
بن ٹھن کے وہ بیٹھے ہیں مرے اہل عزا میں

کھینچا ہے کسی ہاتھ نے کیا دامن دلکو
جب پھول کے رکھا ہے قدم راہ خدا میں

کیوں دور ہوا چارہ گر آزار ہمارا
کچھ روح مسیحا تو نہیں تیری دوا میں

تھا عقدہ کشا کون کہ موجود ہیں دیکھو
ٹوٹے ہوئے ناخن گرہ بند قبا میں

آنکھیں ترے تلوؤں سے ملیں کسنے پئے وصل
دو پھول سے نرگس کے بنے ہیں کف پا میں

دیتے ہو مجھے گریۂ بے صرفہ کے طعنے
تم ڈوب نہ جانا عرق شرم حیا میں

فریادیٔ فرقت ہیں بہت چاہنے والے
کیسا ہو جو آجائے اثر سب کی دعا میں

سنتے ہیں وہ عشاق کی آہیں پس دیوار
پھر یہ بھی شکایت ہے کہ گرمی ہے ہوا میں

تو دوست ہے کس طرح نہ لیں تیری بلائیں
ہم کو تو پڑا کرتے ہیں دشمن کی بلا میں

کب یہ دل وابستہ ہوا یار ترا گنت
ہاں ایک گرہ اور بڑھی زلف دوتا میں

اس دام سے چھٹنا کوئی آسان ہے ظالم
تو دل میں ہے دل زلف میں ہے زلف بلا میں

ہے بعد فنا بھی وہ تباہی کہ مری خاک
تھوڑی سی زمیں پر ہے بہت سی ہے ہوا میں

کیا ہاتھ اٹھاتے ہی نہ اٹھیگی قیامت
بس جان لو تم فیصلہ ہے اب کی دعا میں

کہتے نہیں کچھ اور سنا کرتے ہو سب کی
تمکو تو مزا آنے لگا شرم و حیا میں

افسوس گلا کاٹ کے مر بھی نہ سکے ہم
مصروف رہے ہاتھ شب ہجر دعا میں

تھے اس بت ہوش کے بہت چاہنے والے
انگشت نما داغ ہوا ساری سبھا میں

دل گیا تم نے لیا ہم کیا کریں — جانے والی چیز کا غم کیا کریں
میں نے مر کر ہجر میں پائی شفا — ایسے اچھے کا وہ ماتم کیا کریں
ایک ساغر زہر ہے اپنی زندگی — رفتہ رفتہ اس سے بھی کم کیا کریں
کر چکے سب اپنی اپنی حکمتیں — دم نکلتا ہے وہ ہمدم کیا کریں
دل نے سیکھا شیوۂ بیگانگی — ایسے نامحرم کو محرم کیا کریں
معرکہ ہے آج حسن و عشق کا — دیکھئے وہ کیا کریں ہم کیا کریں
تند خو ہے کب سنے وہ دل کی بات — اور بھی برہم کو برہم کیا کریں
آئینہ ہے اور وہ ہیں دیکھئے — فیصلہ دونوں یہ باہم کیا کریں

کہتے ہیں اہل سفارش مجھ سے داغ
تیری قسمت ہو بُری ہم کیا کریں

صاف کب امتحان لیتے ہیں — وہ تو دم دے کے جان لیتے ہیں
یوں ہے منظور خانہ ویرانی — مول میرا مکان لیتے ہیں
تم تغافل کرو رقیبوں سے — جاننے والے جان لیتے ہیں
پھر نہ آنا اگر کوئی بھیجے — نامہ بر سے زبان لیتے ہیں
اب بھی گر پڑ کے ضعف سے نالے — ساتواں آسمان لیتے ہیں
تیرے خنجر سے بھی تو اے قاتل — نوک کی نوجوان لیتے ہیں
اپنے بسمل کا سر ہے زانو پر — کس محبت سے جان لیتے ہیں
یہ سنا ہے مرے لئے تلوار — اک مرے مہربان لیتے ہیں
یہ نہ کہہ ہم سے تیرے منہ میں خاک — اس میں تیری زبان لیتے ہیں
کون جاتا ہے اس گلی میں جسے — دور سے پاسبان لیتے ہیں
منزل شوق طے نہیں ہوتی — ٹھیکیاں ناتوان لیتے ہیں

کر گذرتے ہیں ہو بُری کہ بھلی — دل میں جو کچھ وہ ٹھان لیتے ہیں
وہ جھگڑتے ہیں جب رقیبوں سے — بیچ میں مجھ کو سان لیتے ہیں
ضد ہر اک بات پر نہیں اچھی — دوست کی دوست مان لیتے ہیں
مستعد ہو کے یہ کہو تو سہی — آیئے امتحان لیتے ہیں

داغ بھی ہے عجیب سحر بیاں
بات جس کی وہ مان لیتے ہیں

ردیف و

دل دادخواہ ظلم جو اے کینہ جو نہو — کل عرصہ گاہ حشر میں پھر تو ہی تو نہو
عاشق کے دل میں اور تری آرزو نہو — اس باغ کا تو پھول ہو پھر اسمیں بو نہو
کھٹکا ہوا ہوں خار تمنا سے اسقدر — ڈرتا ہوں یاس سے بھی کہیں آرزو نہو
لے تو چلا ہے ناصح ناداں پیام وصل — میں شرط باندھتا ہوں جو بے آبرو نہو
اے درد عشق خانۂ دل گھر ترا سہی — آباد یہ مکان تو جب ہو کہ تو ہو
اس فکر میں کچھ ان سے نہ ہم بات کر سکے — یہ گفتگو نہو کہیں وہ گفتگو نہو
میں رنگ دیکھ کر نہ کرونگا یقین کبھی — جبتک عدو کے خون کی خنجر میں بو نہو
اک تیری دوستی سے ہوئی سب میں دشمنی — گر یہ نہ ہو تو کوئی کسی کا عدو نہو
بخشے ہی جائیں شرم حضوری سے لاکھ جُرم — دنیا میں کیا کریں جو خدا روبرو نہو
ہم بادہ نوش یاد نہ رکھیں بہشت میں — جبتک ہمارے سامنے جام و سبو نہو
چاک دل رقیب کی جب فکر کیجئے — پہلے یہ دیکھ لیجئے پھر لا رفو نہو
کافر خدا کرے کہ غلط ہو مرا گماں — جو میں سمجھ رہا ہوں وہ اے کاش تو نہو
کیا رشک ہے کہ طالب ہجراں ہوں اس لئے — جو مجھ کو ہے رقیب کو وہ آرزو نہو

مجھ کو جناب شیخ کی دعوت ضرور ہے ایسی کہیں شراب ملے جسمیں بو نہو

مٹی کی مورت اس سے تو اے داغ خوب ہو
معشوق کیا جو شوخ نہو خوش گلو نہو

ممکن نہیں کہ تیری محبت کی بو نہو کافر اگر ہزار برس دل میں تو نہو

کیا لطف انتظار جو تو حیلہ جو نہو کس کام کا وصال اگر آرزو نہو

محشر میں اور ان سے مری دوبدو نہو کہنے کی بات ہے جو کوئی گفتگو نہو

قاتل اگر نہ شوخ ہو خنجر اگر نہ تیز رگ رگ میں بے قرار ہمارا لہو نہو

خلوت میں تجھکو چین نہیں کس کا خوف ہے اندیشہ کچھ نہ ہو جو نظر چار سو نہو

سرخی ہے تیغ پر نہ حنا تیرے ہاتھ میں قاتل کہیں سفید عدو کا لہو نہو

وہ آدمی کہاں ہے وہ انسان ہے کہاں جو دوست کا ہو دوست عدو کا عدو نہو

دل کو مسل مسل کے ذرا ہاتھ سونگھیے ممکن نہیں کہ خون تمنا کی بو نہو

زاہد مزا تو جب ہے عذاب و ثواب کا دوزخ میں بادہ کش نہوں جنت میں تو نہو

معشوق ہجر اس سے زیادہ کوئی نہیں کیا دل لگی رہے جو تری آرزو نہو

ایسے کہاں نصیب کہ وہ بت ہو ہمکلام ہم طور پر بھی جائیں تو کچھ گفتگو نہو

دست دعا کو ملتی ہے تاثیر عرش سے جو ہاتھ سے ہو پاؤں سے وہ جستجو نہو

غش آنہ جائے دیکھکے قاتل کو موج خوں نازک مزاج کا کہیں ہلکا لہو نہو

بے لاگ کام مزا دل بے مدعا کے ساتھ تم کیا کرو کسی کو اگر آرزو نہو

یہ ٹوٹ کر کبھی نہ بنے گا کسی طرح زاہد شکست توبہ شکست سبو نہو

اے داغ آکے پھر گئے وہ اسکو کیا کریں
پوری جو نامراد تری آرزو نہو

موت اسدن کو جو تجھسے ستم ایجاد نہو میں تو مرجاؤں اگر لذت بیداد نہو

زلف وہ دام کہ جس دام سے آزاد نہو — آنکھ وہ چور کہ جس چور کی فریاد نہو

بات کا زخم ہے تلوار کے زخموں سے سوا — کیجئے قتل مگر منھ سے کچھ ارشاد نہو

غیر کا خون بہانا مری تربت پہ ضرور — آبرودار کی مٹی کہیں برباد نہو

ہائے وہ دل وہ کلیجہ میں کہاں سے لاؤں — وصل میں شاد نہو ہجر میں ناشاد نہو

جور کے بعد ہے اب حرف تسلی کیسا — اس سے فرمایئے جسکو وہ گھڑی یاد نہو

دیکھ اے شام غریبی وہ مسافر میں ہوں — جسکا گھر بار نہو جسکو وطن یاد نہو

ہے یہی حسن کی شہرت تو ہمارا ذمہ — کہ ترے کوچے میں اک شہر جو آباد نہو

محو آرائش زینت ہی رہے آٹھ پہر — تجھ کو اللہ کرے فرصت بیداد نہو

بدگمانی بھی محبت میں بری ہوتی ہے — وہ یقیں ہو مجھے جس بات کی بنیاد نہو

حشر تک اسکی بہاریں نہ مٹینگی زاہد — کوچۂ یار ہے یہ جنت شداد نہو

میری شامت کہ پڑھا قصۂ شیریں میں نے — مجھ سے وہ کہتے ہیں مناسب تمہیں فرہاد نہو

آدمی وہ ہے جو چتون کا اشارہ سمجھے — تجھکو معلوم ہوا منھ سے کچھ ارشاد نہو

ہو مرے دل کی تباہی پہ تعجب کیا خوب — آپ برباد کریں جسکو وہ برباد نہو

اے وہ دشنام بھی خلعت عزت نہ سہی — جو عطا غیر کو ہو وہ مجھے امداد نہو

اٹھ سکیں اس نگہ ناز کی چوٹیں کس سے — روبرو تیرے جو آئینۂ فولاد نہو

تم مکاں مول نہ لو غیر کے ہمسایہ میں — آجتک وہ نہوا ہے کبھی آباد نہو

لاکھ گھاتیں ہیں کہیں دل کے پھنسانیکی — ہمیں صیاد ہوں اسکے جو وہ صیاد نہو

کوستے ہیں وہ الٰہی کہ دعا دیتے ہیں
داغ کو دیکھ کے کہتے ہیں یہ ناشاد نہو

تمکو چاہا تو خطا کیا ہے بتا دو مجھکو — دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھا دو مجھکو

کون ہوتا ہے کڑی بات کا سہنے والا — گالیاں تم کو سکھا دیں یہ دعا دو مجھکو

دل مرا ہاتھ میں لیتے ہی الگ پھینک دیا
ہاں ایسا یہ نہیں لاؤ اٹھا دو مجھکو

باغ فردوس میں بھی بوئے وطن یاد رہے
عطر مٹی کا دم مرگ سنگھا دو مجھکو

غیر کو دست حنائی نہ دکھاؤ دیکھو
گر لگانی ہے یوں ہی آگ لگا دو مجھکو

وہ جو سوئے بھی شب وعدہ یہ کہکر سوئے
جب وہ آئے تو اسی وقت جگا دو مجھکو

تمکو تو حشر کے دن لاکھ میں پہچان لیا
میں بھلا کون ہوں میرا تو پتا دو مجھکو

اب خدا چاہے تو میں تمکو نہ چاہوں ہرگز
پھر یہ تقصیر ہو مجھ سے تو سزا دو مجھکو

زہر بھی وہ نہیں دیتے مری قسمت دیکھو
جھوٹے منہ بھی جو کہوں پان لگا دو مجھکو

دل میں سو شکوۂ غم پوچھنے والا ایسا
کیا کہوں حشر کے دن یہ تو بتا دو مجھکو

مجھکو ملتا ہی نہیں مہر و محبت کا نشاں
تم نے دیکھا ہو کسی میں تو بتا دو مجھکو

ہمدمو اُن سے میں کہہ جاؤنگا حالت دلکی
دو گھڑی کے لیئے دیوانہ بنا دو مجھکو

بیمروت دلِ بے تاب سے ہو جاتا ہے
شیوۂ خاص تم اپنا ہی سکھا دو مجھکو

تم بھی راضی ہو تمہاری بھی خوشی ہے کہ نہیں
جیتے جی داغ یہ کہتا ہے مٹا دو مجھکو

کیوں میری آہ سرد انہیں ناگوار ہو
یہ وہ ہوا نہیں جو کلیجے کے پار ہو

یوں مرے ساتھ دفن دلِ بیقرار ہو
چھوٹا سا اک مزار کے اندر مزار ہو

وعدے سے پیشتر یہ دعا مانگ لیجئے
یارب مری قسم کا اسے اعتبار ہو

ہم آدمی ہیں کام کے اے ناصح شفیق
دیکھو ہمارے کام جہاں اختیار ہو

دو دل اپنے دلکو رنج یہ شرط وفا نہیں
اس سے اگر پھیر دل تمہیں کیا اعتبار ہو

تمکو تو شوخیوں سے نہیں چین رات دن
میں جانتا ہوں میری طرح بے قرار ہو

تیرے غضب سے رتبہ قیامت کو کونسا
یہ لاکھ بار ہو وہ اگر ایک بار ہو

آسودگانِ خاک سے قاتل کو لاگ ہے
اے سونیوالو جاگ اٹھو ہوشیار ہو

اترا رہے ہیں حشر کو وہ تیرے لطف پر ‌ ‌ ایسا غضب نہ اے مرے پروردگار ہو

ایسے کو تو خدا کی قسم چھوڑنا ہے کفر ‌ ‌ تجھ سا حسیں ہو اور نہ دل بے قرار ہو

ناصح کی گفتگو سے ہوئیں بدگمانیاں ‌ ‌ ایسا نہ ہو رقیب کا در پردہ یار ہو

کرتا ہوں اس سے شکوۂ الفت یہ ہے لحاظ ‌ ‌ تصویرِ یار بھی نہ کہیں شرمسار ہو

جھپکی جو آنکھ ہجر کی شب آئی یہ ندا ‌ ‌ اے ننگِ عشق مر نہ گیا ہوشیار ہو

یہ داغ پارسا ہی کی شہرت ہے ان دنوں
لاکھوں میں ہو نہ ہو وہی پرہیزگار ہو

کل تک تو آشنا تھے مگر آج غیر ہو ‌ ‌ دو دن میں یہ مزاج ہے آگے کو خیر ہو

مر جائیں دونوں قہر و غضب سے تو سیر ہو ‌ ‌ تم ہو تمہارا گھر ہو نہ میں ہوں نہ غیر ہو

چاہیں اگر وہ کافر و دیندار میں سلوک ‌ ‌ بت خانہ میں ہو کعبہ تو کعبے میں دیر ہو

کیوں دعوئ رقیب سراپا نہ ہو غلط ‌ ‌ جب اسکی بات کا کوئی سر ہو نہ پیر ہو

کیسا وصال کیسی تسلی کہاں کا لطف ‌ ‌ کچھ ہو نہ ہو بلا سے مرے دل کی خیر ہو

دیتے ہیں لو یہ خاک دلِ تلخکام کی ‌ ‌ دینا یہ زہر اسکو تمہیں جس سے بیر ہو

دلّی میں پھول والوں کا میلا پھر آئیے داغ
بن ٹھن کے آئے وہ تو قیامت کی سیر ہو

آئینہ اپنی نظر سے نہ جدا ہونے دو ‌ ‌ کوئی دم اور بھی آپس میں ذرا ہونے دو

کم نگاہی میں اشارا ہی اشارے میں حیا ‌ ‌ یا تو ہونے دو مجھے چین سے یا ہونے دو

ہاتھ باندھے ہوئے اغیار کے ساتھ آؤ گے ‌ ‌ ہم دکھادیں گے مزا روزِ جزا ہونے دو

ہم بھی دیکھیں تو کہاں تک نہ توجہ ہوگی ‌ ‌ کوئی دن تذکرۂ اہلِ وفا ہونے دو

آنکھ ملتے ہی کہوں خاک حقیقت دل کی ‌ ‌ دیکھ کر جلوہ مرے ہوش بجا ہونے دو

تم دل آزار بنے رشکِ مسیحا کیسے ‌ ‌ کم نہ ہونے دو مرا درد سوا ہونے دو

میری آنکھوں پہ مرے منھ پہ نہ تم رکھو ہاتھ — حرف مطلب کسی صورت سے ادا ہونے دو
کیا نہ آئیگا اسے خوف مرے قتل کے بعد — دست قاتل کو ذرا دست دعا ہونے دو
لطف سمجھو تو رقیبوں سے بڑھا دو مجھکو — سیر دیکھو تو کوئی فتنہ بپا ہونے دو

جب سنا داغ کوئی دم میں فنا ہوتا ہے
اس ستمگر نے اشارے سے کہا ہونے دو

ہے غضب بوسہ مجھے کھا کے قسم ایک نہ دو — پھر تغافل سے ہزاروں ہوں ستم ایک نہ دو
پائمالوں کی تری راہ میں گنتی کیا ہے — سیکڑوں آگئے سر زیر قدم ایک نہ دو
چرخ سا اور سخی کون ہے دینے والا — مجھکو دس بیس دیئے داغ الم ایک نہ دو
ہاتھ کیوں کھینچ لیا ایک ہی ساغر دیکر — دو تو دو سو جو نہ دو اس سے تو کم ایک نہ دو
وہ اشاروں ہی سے اقرار کریں دو دنکا — ایسے بھولے نہیں سمجھینگے جو ہم ایک نہ دو
ہمنے کعبے میں بھی لاکھوں کی یہ صورت دیکھی — کرتے ہیں ہائے صنم ہائے صنم ایک نہ دو
میری تقدیر بجزت مجھے دلوائے گی — دل تمہارا جو کہیگا اسے غم ایک نہ دو
مجھکو دو دل ہوں عطا روز ازل کہتا تھا — رنج کھانے کو اٹھانے کو ستم ایک نہ دو

داغ دلی تھی کسی وقت میں یا جنت تھی
سیکڑوں گھر تھے وہاں رشک ارم ایک نہ دو

کہتے ہیں جسکو حور وہ انساں تمہیں تو ہو — جاتی ہے جس پہ جان مری جاں تمہیں تو ہو
مطلب کی کہہ رہے ہیں وہ دانا ہمیں تو ہیں — مطلب کی پوچھتے ہو وہ ناداں تمہیں تو ہو
آتا ہے بعد ظلم تمہیں کو تو رحم بھی — اپنے کئے سے دلمیں پشیماں تمہیں تو ہو
پچھتاؤ گے بہت مرے دل کو اجاڑ کر — اس گھر میں اور کون ہے مہماں تمہیں تو ہو
اک روز رنگ لائینگی یہ مہربانیاں — ہم جانتے تھے جان کے خواہاں تمہیں تو ہو
دلدار و دلفریب دل آزار و دلستاں — لاکھوں میں ہم کہینگے کہ ہاں ہاں تمہیں تو ہو

کرتے ہو داغ دور سے بتخانے کو سلام
اپنی طرح کے ایک مسلماں تمہیں تو ہو

نکلی فلک سے کم کسی سائل کی آرزو
پھر اس پہ آرزو بھی مرے دل کی آرزو

حسرت ہے اسکو نکلی نہ بسمل کی آرزو
پوری کرے خدا مرے قاتل کی آرزو

حوروں سے کیا غرض تھی عبث بدگمان ہو
جنت میں لے گئی تری محفل کی آرزو

یوں آہ نارسا کو تمنائے عرش ہے
جیسے کسی غریب کو منزل کی آرزو

یہ ناامید زیست وہ مشتاقِ رقص ہے
بسمل کی یاس دیکھئے قاتل کی آرزو

آئینہ دیکھ کر تمہیں مشتاق کیا ہوئے
تم سے سوا ہے مدِ مقابل کی آرزو

ہو قیس کا تو شوق زمانے پر آشکار
کیا جانے کوئی صاحب محمل کی آرزو

دنیا سرائے تنگ ہو محشر ہی جائے تنگ
عاشق کہاں نکال سکے دل کی آرزو

دل ہر طرف رہا نگراں بحر عشق میں
اس ڈوبتے کو رہ گئی ساحل کی آرزو

اوچھی پڑی ہو تیغ کہ قاتل ہے نازنیں
بسمل کے ساتھ جائیگی بسمل کی آرزو

پہچان لو فقیر کی صورت سوال ہے
تم جان لو یہ ہو مرے سائل کی آرزو

یوسف نے دیکھ کر تری تصویر یہ کہا
کیوں ہو نہ ایسی شکل و شمائل کی آرزو

رتبہ کمال عشق کا حاصل نہیں ہوا
اب داغ کو ہے مرشد کامل کی آرزو

ردیف ے

شب وصل ضد میں بسر ہو گئی
نہیں ہوتے ہوتے سحر ہو گئی

نگہ غیر پر بے اثر ہو گئی
تمہاری نظر کو نظر ہو گئی

کسک دل میں پھر چارہ گر ہو گئی
جو تسکیں پہر دو پہر ہو گئی

لگاتے ہی دل اس سے اب ہار جیت ۔۔۔ اِدھر ہو گئی یا اُدھر ہو گئی
جواب ان کی جانب سے دینے لگا ۔۔۔ یہ جرأت تجھے نامہ بر ہو گئی
بُرے حال سے یا بھلے حال سے ۔۔۔ تمہیں کیا ہماری بسر ہو گئی
میسر ہمیں خواب راحت کہاں ۔۔۔ ذرا آنکھ جھپکی سحر ہو گئی
جفا پر وفا تو کروں سوچ لو ۔۔۔ تمہیں مجھ سے الفت اگر ہو گئی
نگاہِ ستم میں کچھ ایجاد ہو ۔۔۔ کہ یہ تو پرانی نظر ہو گئی
تسلی مجھے دے کے جاتے تو ہو ۔۔۔ مبادا جو جوئے دگر ہو گئی
کہیں حسن سے بھی ہے کاہیدگی ۔۔۔ نہ ہونے کے قابل کمر ہو گئی
شب وصل ایسی کھلی چاندنی ۔۔۔ وہ گھبرا کے بولے سحر ہو گئی
کہی زندگی بھر کی سب واردات ۔۔۔ مری روح پیغام بر ہو گئی
کہو کیا کرو گے مرے وصل کی ۔۔۔ جو مشہور جھوٹی خبر ہو گئی

غم ہجر سے داغ مجھکو نجات
یقیں تھا نہ ہو گی مگر ہو گئی

اس سے کیا خاک ہمنشیں بنتی ۔۔۔ بات بگڑی ہوئی نہیں بنتی
وہ بنی ابتدائے الفت میں ۔۔۔ دم پہ جو وقت واپسیں بنتی
آدمی سب فرشتے بن جاتے ۔۔۔ آسماں پر اگر زمیں بنتی
میری صورت بنی تو خاک بنی ۔۔۔ قسمت اے صورت آفریں بنتی
وعدہ کرتے ہی کیا وہ آ جاتے ۔۔۔ رات بھر زلف عنبریں بنتی
کاش سنتا نہ کوئی شور و فغاں ۔۔۔ دل کی جا چشم سرگیں بنتی
تو نے ایسے بگاڑ ڈالے ہیں ۔۔۔ ایک کی ایک سے نہیں بنتی
نہ چمکتی جو حسن کی تقدیر ۔۔۔ کیوں تری چاندنی جبیں بنتی

پارۂ جیب سے مری اے کاش دست وحشت کی آستیں بنتی
بزم دنیا تھی قابل جنت خوب بنتی اگر یہیں بنتی
طبع نازک کا لطف جب تھا داغ
نازنینوں میں نازنیں بنتی

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے
کہیں ہے عید کی شادی کہیں ماتم ہے مقتل میں کوئی قاتل سے ملتا ہے کوئی بسمل سے ملتا ہے
پس پردہ بھی لیلیٰ ہاتھ رکھ لیتی ہے آنکھوں پر غبار ناتوان قیس جب محمل سے ملتا ہے
بھرے ہیں تجھ میں وہ لاکھوں ہنر اے مجمع خوبی ملاقاتی ترا گویا بھری محفل سے ملتا ہے
مجھے آتا ہے کیا کیا رشک وقت ذبح اس سے بھی گلا جس دم لپٹ کر خنجر قاتل سے ملتا ہے
بظاہر باادب یوں حضرت ناصح سے ملتا ہوں مرید خاص جیسے مرشد کامل سے ملتا ہے
مثال گنج قارون اہل حاجت سے نہیں چھپتا جو ہوتا ہے سخی خود ڈھونڈھ کر سائل سے ملتا ہے
جواب اس بات کا اس شوخ کو کیا دے سکے کوئی جو دل لیکر کہے کمبخت تو کس دل سے ملتا ہے
چھپائے سے کوئی چھپتی ہے اپنے دل کی بیتابی کہ ہر تار نفس اپنا رگ بسمل سے ملتا ہے
عدم کی جو حقیقت ہے وہ پوچھو اہل ہستی سے مسافر کو تو منزل کا پتا منزل سے ملتا ہے
غضب ہے داغ کے دل سے تمہارا دل نہیں ملتا
تمہارا چاند سا چہرہ مہ کامل سے ملتا ہے

تم نے بدلے ہم سے گن گن کے لئے ہم نے کیا چاہا تھا اس دن کے لئے
کچھ نرالا ہے جوانی کا بناؤ شوخیاں زیور ہیں اس سن کے لئے
چاہنے والوں سے گر مطلب نہیں آپ پھر پیدا ہوئے کن کے لئے
فیصلہ ہو آج میرا آپ کا یہ اٹھا رکھا ہے کس دن کے لئے
دے مے سے دُرد اے پیر مغاں چاہئے اک پاک باطن کے لئے

دل کے لینے کی ضمانت چاہیے — اور اطمینان ضامن کے لیئے

مے کشو اب آئی شاید فصل گل — بلبلوں نے چونچ میں تنکے لیئے

ہم نشینوں سے مرے کہتے ہیں وہ — چھوڑ دیں غیر دل کو کیا ان کے لیئے

ہیں رخ نازک پہ گنتی کے نشاں — کس نے بوسے تیرے گن گن کے لیئے

وہ نہیں سنتے ہماری کیا کریں — مانگتے ہیں ہم دعا جن کے لیئے

آج کل میں داغ ہو گے کامیاب
کیوں مرے جاتے ہو دو دن کے لیئے

آئے بھی تو وہ منھ کو چھپائے مرے آگے — اسطرح سے آئے کہ نہ آئے مرے آگے

دل میں نے لگایا ہے مگر دیکھئے کیا ہو — سب جھینکتے ہیں اپنے پرائے مرے آگے

بجھتے ہوئے دیکھونگا نہ میں دل کی لگی کو — کوئی نہ کبھی شمع بجھائے مرے آگے

کیا دم کا بھروسا ہے پھر آئے کہ نہ آئے — جانا ہو جو قاصد کو تو جائے مرے آگے

کچھ تذکرۂ رنجش معشوق جو آیا — دشمن کے بھی آنسو نکل آئے مرے آگے

مانگی ہی دعا وصل کی کچھ اور نہ سمجھو — کوسا ہو اگر میں نے تو آئے مرے آگے

تیور یہی کہتے تھے کہ یہ نام ہے میرا — لکھ کر کوئی حرف اسنے مٹائے مرے آگے

دیکھے تو کوئی قاصد جاناں کی دلیری — واپس مرے خط لا کے جلائے مرے آگے

بچھڑے ہوئے معشوق ملیں سب کو الہٰی — تنہا کوئی جنت میں نہ جائے مرے آگے

محشر میں بھی ہی خواہش خلوت مجھے ایسے — کہتا ہوں کیا میرا نہ آئے مرے آگے

کچھ داغ کا مذکور جو آیا تو وہ بولے
آئے تھے برا حال بنائے مرے آگے

سب سے تم اچھے ہو تمسے مری قسمت اچھی — یہی کمبخت دکھا دیتی ہی صورت اچھی

حسن معشوق سے بھی حسن سخن ہی کمیاب — ایک ہوتی ہی ہزاروں میں طبیعت اچھی

میری تصویر بھی دیکھی تو کہا شرما کر
یہ بُرا شخص ہے اسکی نہیں ہئیت اچھی

ہر طرح دل کا ضرر جان کا نقصان دیکھا
نہ محبت تری اچھی نہ عداوت اچھی

کس صفائی سے کیا وصل کا تو نے انکار
اس محل پر تو زباں میں تری لکنت اچھی

ہجر میں کسکو بلاؤں نہ بلاؤں کس کو
موت اچھی ہے الٰہی کہ قیامت اچھی

دیکھنے والوں سے انداز کہیں چھپتے ہیں
ہمکو پردے میں نظر آتی ہے صورت اچھی

میری شامت کہ دکھائی اسے دشمن کی شبیہ
مسکرا کر یہ کہا اس نے نہایت اچھی

جو ہو آغاز میں بہتر وہ خوشی ہے بدتر
جسکا انجام ہو اچھا وہ مصیبت اچھی

ہے سر ناز فروشی تو خریدار بہت
بیچ ڈالو اسے مل جائیگی قیمت اچھی

عیب بھی اپنے بیاں کرنے لگے آخر کار
ہو گئی ان کو بُرا کہنے کی عادت اچھی

تم بتاؤ تو سہی مہر و محبت کے گواہ
ایسے دعویٰ میں تو جھوٹی ہی شہادت اچھی

زور و زر سے بھی کہیں داغ حسیں ملتے ہیں
اپنے نزدیک تو ہے سب سے اطاعت اچھی

یہ جو ہے حکم مرے پاس نہ آئے کوئی
اس لیئے روٹھ رہے ہیں کہ منائے کوئی

یہ نہ پوچھو کہ غم ہجر میں کیسی گذری
دل دکھانے کا اگر ہو تو دکھائے کوئی

تاک میں ہے نگہ شوق خدا خیر کرے
سامنے سے مرے بچتا ہوا جائے کوئی

ہو چکا عیش کا جلسہ تو مجھے خط پہنچا
آپ کی طرح سے مہمان بلائے کوئی

ترک بیداد کی تم داد نہ چاہو مجھ سے
کر کے احسان نہ احسان جتائے کوئی

یوں شب وصل ہو بالیدگی عیش و نشاط
آپ اپنے میں خوشی سے نہ سمائے کوئی

حال افلاک و زمیں کا جو بتایا تو کیا
بات وہ ہے جو ترے دل کی بتائے کوئی

درد الفت کے مزے لیتے ہیں قسمت والے
خون دل زہر نہیں ہے کہ نہ کھائے کوئی

کیا وہ مے داخل دعوت نہیں ہے اے داغ
مہربانی سے بلا کر جو پلائے کوئی

وعدۂ وصل اسے جان کے خوش ہو جاؤں ۔۔۔ وقتِ رخصت بھی اگر ہاتھ ملائے کوئی

سرد مہری سے زمانے کی ہوا ہے دل سرد ۔۔۔ رکھ کر اس چیز کو کیا آگ لگائے کوئی

آپ نے داغ کو منھ بھی نہ لگایا افسوس

اسکو رکھتا تھا کلیجے سے لگائے کوئی

ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے ۔۔۔ ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے

آپ کی ہر بات میں یہ بات ہے ۔۔۔ چال ہے فقرہ ہے دم ہے گھات ہے

حور کی خواہش پہ یہ طعنے ملے ۔۔۔ واہ کیا نیت ہے کیا اوقات ہے

تو نے قاصد جو بھی دل کی کہی ۔۔۔ یہ اسی کافر کے منھ کی بات ہے

پھر خدا جانے کہاں تم ہم کہاں ۔۔۔ عیش و عشرت کی یہی اک رات ہے

شکوہ کے بدلے کیا شکر ستم ۔۔۔ پھر خفا ہیں کیا مزے کی بات ہے

ان کا قاصد لے چلا ہے دل مرا ۔۔۔ تازہ فرمائش نئی سوغات ہے

شب کو جاگیں بزم میں وہ دن کو سوئیں ۔۔۔ رات کا دن اور دن کی رات ہے

کیوں پھسل پڑتے ہیں ملک حسن میں ۔۔۔ کیا وہاں برسات ہی برسات ہے

جب کہا میں نے کہ اب مرتا ہوں میں ۔۔۔ بولے بسم اللہ اچھی بات ہے

ضعف سے اٹھتے نہیں دست دعا ۔۔۔ اب ہماری شرم اس کے ہات ہے

کہتے ہیں دشنام دیکر لینگے دل ۔۔۔ مفت کیوں دیتے ہو کچھ خیرات ہے

داغ سے جا کر ملے تھے ہم بھی آج

آدمی خوش وضع خوش اوقات ہے

تلاش انکو ہے میرے رازداں کی ۔۔۔ نئی ترکیب نکلی امتحاں کی

کہاں اے چارہ گر دل میں حرارت ۔۔۔ یہ گرمی ہے فقط ضبط فغاں کی

نہیں کچھ ہرزہ گو دیوانۂ عشق ۔۔۔ سنو تو کہہ رہا ہے یہ کہاں کی

آفتاب داغ

کرے گی سجدہ میت بھی ہماری — کہ مٹی دی ہے اس نے آستاں کی
شب غم آئے خواب مرگ کیونکر — یہاں دیکھی ہیں آنکھیں پاسباں کی
تمہیں سنواؤں کیونکر اسکی باتیں — مرے دل میں ہو کیفیت زباں کی
دہن کو ہو مزا تیرے دہن کا — زباں کو چاٹ ہو تیری زباں کی

وہ سن کر داغ کے اشعار بولے
خدا جانے یہ بولی ہے کہاں کی

وہ بیم و عدہ کر کے فراموش ہو گئے — امیدوار ہوش سے بے ہوش ہو گئے
تلچھٹ بھی آج حضرت زاہد نے صاف کی — مئے نوش کیا ہوئے کہ بلا نوش ہو گئے
کافی ہے میرے قتل سے اتنا انہیں لحاظ — دو چار دن کیواسطے روپوش ہو گئے
احباب کو جنازہ اٹھانا بھی بار تھا — ہم خاک میں ملے وہ سبکدوش ہو گئے
بگڑا مزاج ان کا تو محفل بگڑ گئی — سامان عیش اڑ کے مرے ہوش ہو گئے
ماتم ہے طفل اشک کا یا دلکا سوگ ہے — کیوں مردماں دیدہ سیاہ پوش ہو گئے
ہاں ہاں ٹھہر ٹھہر کے اٹھا رخ سے تو نقاب — پیدا طبیعتوں میں بہت جوش ہو گئے
میری برائیاں تو نہ کرتا ہو مدعی — کیا غور ہے کہ ہم ہمہ تن گوش ہو گئے

اے داغ سب زمانۂ ماضی کے ذوق و شوق
اک بار دل سے محو و فراموش ہو گئے

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے — اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے
مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا — نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے
نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی — بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
کلیجا مرے منہ کو آئیگا اک دن — یونہی لب پہ آہ و فغاں آتے آتے
ابھی سن ہی کیا ہے جو بیباکیاں ہوں — انھیں آئینگی شوخیاں آتے آتے

چلے آتے ہیں دل میں ارمان لاکھوں — مکاں بھر گیا میہماں آتے آتے
نتیجہ نہ نکلا تھکے سب پیامی — وہاں جاتے جاتے یہاں آتے آتے
تمہارا ہی مشتاق دیدار ہوگا — گیا جان سے اک جواں آتے آتے
یقیں ہے کہ ہو جائے آخر کو سچی — مرے منہ میں تیری زباں آتے آتے
سنانے کے قابل جو تھی بات ان کو — وہی رہ گئی درمیاں آتے آتے
تری آنکھ پھرتے ہی کیسا پھرا ہے — مری راہ پر آسماں آتے آتے
مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے — چمن اڑ گیا آندھیاں آتے آتے
کسی نے کچھ ان کو ابھارا تو ہوتا — نہ آتے نہ آتے یہاں آتے آتے
قیامت بھی آئی تھی ہمراہ اسکے — مگر رہ گئی ہمعناں آتے آتے
بنا ہے ہمیشہ یہ دل باغ و صحرا — بہار آتے آتے خزاں آتے آتے

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہدو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

مل گئی بیخودی شوق سے راحت کیسی — ہو گئی دونوں جہاں سے مجھے فرصت کیسی
کیا کہوں اس نے اٹھائی ہے اذیت کیسی — مرنیوالے کی رہی رات کو حالت کیسی
عشق نے دی ہیں دعائیں دم رحلت کیسی — مجھ سے مل مل کے گلے روئی ہے حسرت کیسی
عکس بھی آئینہ میں چار گھڑی بعد آیا — بڑھ گئی حد سے سوا ان کی نزاکت کیسی
بندہ چاہے جو خدائی کوئی ملسکتی ہے — لوگ قسمت کو لئے پھرتے ہیں قسمت کیسی
جور معشوق کی پرسش ہی نہیں دنیا میں — اپنے بندے سے خدا کو ہے محبت کیسی
حور سے بحث نہیں ہاں یہ بتا اے زاہد — لاکھ دو لاکھ میں ہو ایک وہ صورت کیسی
دوست یکرنگ جو یکجا کبھی مل بیٹھتے ہیں — لطف کیسا تھا گذر جاتی ہے صحبت کیسی
خواب میں بھی جو برا اسنے کہا سب نے سنا — جلد ہوتی ہے بری بات کی شہرت کیسی

آپ ہی جور کریں آپ ہی پوچھیں مجھسے
یہ تو فرمایئے ہے آج طبیعت کیسی

اب تو دو چار ہی نالوں کا رہا تھا جھگڑا
ہار دی حضرتِ دل آپنے ہمت کیسی

اسکو میں نے جو کلیجے سے لگا رکھا ہے
درد نے پائی مرے سینے میں راحت کیسی

تھمیئے تھمیئے کہ نکل جائے ذرا جانِ حزیں
میں تو رخصت نہ ہوا آپکی رخصت کیسی

تھے کہاں رات کو آئینہ تو لے کر دیکھو
اور ہوئی ہے خطادار کی صورت کیسی

نگہِ یار کو میں دل میں جگہ دوں لیکن
چور ہو جب کوئی مہمان تو عزت کیسی

چھیڑ ہر وقت کی اچھی نہیں یہ یاد رہے
کبھی کیسی ہے کبھی اپنی طبیعت کیسی

شعر نکلے تو وہ لختِ جگر اپنا ہے
اپنی اولاد سے ہوتی ہے محبت کیسی

دلکو سمجھائینگے بہلائینگے بھسلائیں گے
بعد مرجانیکے ملجائیگی فرصت کیسی

دھمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی اے داغ
بندہ پرور یہ محبت میں حکومت کیسی

نظر آتا ہے پری رو جو کوئی شوخ و شریر
گدگداتی ہے پھر اے داغ طبیعت کیسی

ہر دل میں نئے درد سے ہے یاد کسی کی
ملتی نہیں فریاد سے فریاد کسی کی

آرام طلب ہوں کرمِ عام کے طالب
یوں مفت میں سنتی نہیں بیداد کسی کی

دل تھامے ہوئے پھرتے ہیں سب گبر و مسلماں
کیا یاد ہے کیا یاد ہے کیا یاد کسی کی

اس حسنِ جہاں سوز سے برپا ہے قیامت
ایسے میں کرے کیا کوئی امداد کسی کی

بڑھتی ہے محبت کی اسیری میں اسیری
پوری نہیں ہوتی کبھی میعاد کسی کی

ایمان تو جب لائیں ہم اے شانِ کریمی
مٹ جائے اگر لذتِ بیداد کسی کی

نکلی تو سہی جان مگر سہل نہ نکلی
اٹکی نہیں رہتی مرے جلاد کسی کی

جب دیکھتے ہے نالۂ بلبل میں اثر کچھ
اسکو بھی اچک لیتی ہے فریاد کسی کی

گھبرا کے اگر موت بھی مانگوں تو کہیں یہ
جاگیر نہیں ہے عدم آباد کسی کی

کیا عیش بھلائیگا یہ آزار یہ تکلیف جنت میں بھی یاد آئیگی بیداد کسی کی
ہے الفت دشمن میں برا حال کسیکا اے حضرت دل کیجئے امداد کسی کی
کم بخت وہی داغ نہ ہو دیکھو تو کوئی
بے چین کیئے دیتی ہے فریاد کسی کی

اس کے در تک کسے رسائی ہے وہ ہی جائے گا جس کی آئی ہے
بات اک دل میں میرے آئی ہے گر کہوں تو ابھی لڑائی ہے
دوسری جان ہے تری الفت ایک کھوئی ہے ایک پائی ہے
بھر دیا زخم میں نمک اس نے یہ دعا گو کی منہ بھرائی ہے
سچ ہے بے عیب ہے خدا کی ذات تجھ میں کیا جانے کیا برائی ہے
اے لب یار تجھ کو میری قسم کبھی سچی قسم بھی کھائی ہے
اس کے در تک پہنچ گیا قاصد آگے تقدیر کی رسائی ہے
قتل کرتی ہے گفتگو ان کی بات میں بات کی صفائی ہے
داغ اب وصل کا وصال ہوا
یار زندہ غم جدائی ہے

وہ بت دل میں مہماں ہوا چاہتا ہے نیا دین و ایماں ہوا چاہتا ہے
لب یار خنداں ہوا چاہتا ہے کوئی عہد و پیماں ہوا چاہتا ہے
ترا پیرہن میری باتوں سے ناصح مرا ہی گریباں ہوا چاہتا ہے
تری دوستی میں یہ تھوڑی خوشی ہے کہ دشمن پشیماں ہوا چاہتا ہے
شب وصل آخر ہوئی جلد جاؤ یہاں اور ساماں ہوا چاہتا ہے
کہے دیتی ہے سر گرانی ہماری اجل کا کچھ احساں ہوا چاہتا ہے
نگاہ تغافل نے تلوار کھینچی یہاں خون ارماں ہوا چاہتا ہے

تھکا کر بٹھانے لگی مجھ کو گردش — بیاباں ہی زنداں ہوا چاہتا ہے

اسی واسطے ہاتھ اپنا ہی دل پر — کوئی اس کا خواہاں ہوا چاہتا ہے

کیا داغ گو اس نے جھوٹا ہی وعدہ

ترا کام آساں ہوا چاہتا ہے

کچھ اور دل لگی نہیں اس بدنصیب سے — ہم جانتے ہیں کھیلتے ہو تم رقیب سے

کیا خوب رازدار ملا ہے نصیب سے — کھل کھیلے پردے پردے میں تم تو رقیب سے

بہر دعائے مرگ اٹھیں کسطرح سے ہاتھ — چھٹتی نہیں ہے نبض ہماری طبیب سے

میں بدگمانیوں کا بھی ممنون ہو گیا — وہ حال پوچھ لیتے ہیں میرا طبیب سے

شوخی میں تمکنت ہے تو ہے ناز میں نیاز — تعلیم تم نے پائی ہے اچھے ادیب سے

اپنا ہی عکس کیوں نہ ہو اللہ رے حجاب — دیکھا نہ آئینہ کبھی اس نے قریب سے

اخفائے راز عشق کی عادت بھی ہے بری — ہم نے ہمیشہ حال چھپایا طبیب سے

ایسی غم فراق میں صورت بگڑ گئی — جھک جھک کے دیکھتے ہیں وہ مجھکو قریب سے

دیوانگی میں بھی نہ گئیں اپنی شوخیاں — گلشن میں پھول لا گئے ہیں عندلیب سے

دشمن بنائے ہیں مری قسمت نے سیکڑوں — چاہا جو تجھ کو خلق نے میرے نصیب سے

اے ناصح شفیق رہے کچھ تو چھیڑ چھاڑ — ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

جو دیکھتا ہے اس کو مجھے دیکھتا نہیں — دنیا میں کون آنکھ ملائے غریب سے

مانند برق مثل ہوا صورت نگاہ — اکثر نکل گئے ہیں وہ میرے قریب سے

کہتا ہے مرتے دم بھی تجھے اب شفا ہوئی — پالا پڑا مریض کو جھوٹے طبیب سے

ہم کو جلا جلا کے جہنم میں جائے گا — ناراض ہو خدا بھی ہمارے رقیب سے

کلکتہ میں ہے شیخ نمائش میں کامگار — اس خلقت عجیب و لباس غریب سے

پوچھو جناب داغ کی ہم سے شرارتیں — کیا سر جھکائے بیٹھے ہیں حضرت غریب سے

درد بنکر دل میں آنا کوئی تم سے سیکھ جائے
جان عاشق ہو کے جانا کوئی تم سے سیکھ جائے

ہر سخن پر روٹھ جانا کوئی تم سے سیکھ جائے
روٹھ کر پھر مسکرانا کوئی تم سے سیکھ جائے

وصل کی شب چشم خواب آلودہ کو ملتے اٹھے
سوتے فتنے کو جگانا کوئی تم سے سیکھ جائے

کوئی سیکھے خاکساری کی روش تو ہم سکھائیں
خاک میں دل کو ملانا کوئی تم سے سیکھ جائے

آتے جاتے یوں تو دیکھے ہیں ہزاروں خوش خرام
دل میں آنا دل سے جانا کوئی تم سے سیکھ جائے

دیکھ کر آئینہ اترائے کہ ہم بھی کوئی ہیں
اپنی نظروں میں سمانا کوئی تم سے سیکھ جائے

اک نگاہ لطف پر لاکھوں دعائیں مل گئیں
عمر کا اپنی بڑھانا کوئی تم سے سیکھ جائے

جان سے مارا اسے تنہا جہاں پایا جسے
بیکسی میں کام آنا کوئی تم سے سیکھ جائے

فیلسوفی اے بتو تم کو زمانہ کیا سکھائے
بلکہ ہو کیسا ہی دانا کوئی تم سے سیکھ جائے

جانتے ہو بات ہر غماز کی آیت حدیث
جھوٹ پر ایمان لانا کوئی تم سے سیکھ جائے

کیا سکھائیگا زمانے کو فلک طرز جفا
اب تمہارا ہے زمانا کوئی تم سے سیکھ جائے

ہے تغافل میں بھی دزدیدہ نظر سے تاک جھانک
چور کو رستہ بتانا کوئی تم سے سیکھ جائے

ہر گنہ سے توبہ کر لی جب جوانی ہو چکی
زاہدا جنت میں جانا کوئی تم سے سیکھ جائے

وہ کیا وعدہ کہ میں فرط خوشی سے رو دیا
ایسے ہنستے کو رلانا کوئی تم سے سیکھ جائے

غیر کو اپنا بنا لیتے ہیں ہم تو وقت پر
دوست کو دشمن بنانا کوئی تم سے سیکھ جائے

محو بے خود ہو نہیں کچھ دین و دنیا کی خبر
داغ ایسا دل لگانا کوئی تم سے سیکھ جائے

دیکھا جو شہر حسن میں چرچا ہی اور ہے
اس کی ہوا ہے اور وہ دنیا ہی اور ہے

مجھ کو رلا کے آپ ہنسی سے تڑپ گئے
خود لوٹنے لگے یہ تماشا ہی اور ہے

جی چاہتا ہے مجھ کو وہ یارب نصیب ہو
کیسا بہشت مجھ کو تمنا ہی اور ہے

اس بے وفا کے ہاتھ رہا دل کا فیصلہ
نا منصفوں سے طے ہو یہ جھگڑا ہی اور ہے

لو دیکھتے ہی غیر کو چتون بدل گئی / آنکھوں کو دیکھئے تو اشارا ہی اور ہے

آئے تو کیا کہ پھر وہ کوئی دم میں جائینگے / کم جس قدر ہوا ہے غم اتنا ہی اور ہے

کہتے ہیں خواب میں شب وعدہ ہم آئے تھے / یہ مکر یہ فریب یہ دھوکا ہی اور ہے

دیکھے جو تیرے قد کو قیامت تو یہ کہے / سج دھج ہی اور ہے یہ سراپا ہی اور ہے

تم آئینہ ہی دیکھ کے حیران رہ گئے / واللہ میرے دل میں اک ایسا ہی اور ہے

جب اہل حشر سے نہ ملی میری واردات / سب نے کہا سنو تو یہ جھگڑا ہی اور ہے

حوروں کی آرزو میں یہ کیفیتیں کہاں / اللہ رکھے اس کی تمنا ہی اور ہے

پھوٹیں یہ کان گر تم عیسیٰ کی ہو ہوس / مرتے ہیں جس پہ ہم وہ مسیحا ہی اور ہے

قاتل کو زیر قبر بھی دیتے رہے دعا / سر جاکے بھی نہ جائے یہ سودا ہی اور ہے

کرتا ہوں صبر ان کی جفا پر تو کہتے ہیں / یہ دل ہی اور ہے یہ کلیجا ہی اور ہے

کیسا نیاز کس کی وفا کس کی عاشقی / تم جانتے نہیں مجھے دعوا ہی اور ہے

اجمیر ہو کے جائیں گے اے داغ ہم بہار
اب کی برس سفر کا ارادہ ہی اور ہے

نکل جائے یہ حسرت وہ نہیں ہے / بدل جائے یہ قسمت وہ نہیں ہے

وہی تم ہو طبیعت وہ نہیں ہے / وہی صورت ہے سیرت وہ نہیں ہے

پکارا دیکھ کر میں حور کی شکل / خداوندا یہ صورت وہ نہیں ہے

تمہارا دل تو دیکھوں ہاتھ رکھکر / وہی ہے یا محبت وہ نہیں ہے

کہے دیتے ہیں ہم دھوکا نہ کھانا / ہماری اب طبیعت وہ نہیں ہے

دکھائے بت برہمن شیخ حوریں / پلٹ جائے یہ نیت وہ نہیں ہے

ترا دل کیا ترے گھر میں بھی مجھ کو / ٹھہرنے دے یہ وحشت وہ نہیں ہے

مرے مرقد پہ بولے ہاتھ مل کر / اسی کی ہے یہ تربت وہ نہیں ہے

یہاں قیدی ہیں تھے دنیا میں آزاد ہمیں جنت میں راحت وہ نہیں ہے
جو تم سمجھے ہو دل میں چارہ سازو علاجِ دردِ فرقت وہ نہیں ہے
گئی محفل کی رونق داغ کے ساتھ
وہی دم تھا غنیمت وہ نہیں ہے

مرادیں مان رہا ہوں قضا کے آنے کی بُری گھڑی تھی دلِ مبتلا کے آنے کی
شبِ وصال نہ ٹھہرے حیا کے آنے کی کہ پھر کبھی نہیں یہ رات جا کے آنے کی
تمہارے دل میں قیامت اٹھائے پھرنے کی تمہاری عمر ہے ناز و ادا کے آنے کی
دمِ اخیر مجھے اس کی کیا خوشی کم ہے کہ دیکھی چال تری مسکرا کے آنے کی
شگافِ چرخ سے اے آہ کیا ہوا حاصل کہ اور راہ کھلی ہر بلا کے آنے کی
لگائے بیٹھے ہو مہندی عبث شبِ وعدہ تمہیں امید ہے رنگِ حنا کے آنے کی
کریں گے صبحِ قیامت بھی انتظار بہت کہ عادت آپکو ہے دن چڑھا کے آنے کی
وہ میری قبر پہ آتے ہیں خوب بن ٹھن کر یہی تو وجہ ہے خلقِ خدا کے آنے کی
جوابِ وصل سے کیونکر نہ ہوں میں شادی مرگ خوشی بھی اور خوشی دلربا کے آنے کی
وہ سادہ دل ہوں کہ تا وقتِ واپسیں مجھکو جمی ہوئی ہے بت بیوفا کے آنے کی
مرا خیال تو آنے دیا نہ تم نے مگر ہوئی نہ روک دلِ مبتلا کے آنے کی
شبِ فراق ہجومِ بلا سے کیا مرتا کہ راہ بند ہوئی تھی قضا کے آنے کی
مری بلا رہے فرقت میں رات بھر ناشاد مجھے تو عید ہے روزِ جزا کے آنے کی
بنا ہوں میں نفسِ واپسیں نقاہت سے نہ آکے جانے کی طاقت نہ جا کے آنے کی
رہی ہے منزلِ مقصود ہائے تھوڑی دور خبر نہ تھی مجھے سیلِ فنا کے آنے کی
ابھی تو کھیل ہیں اے داغ شوخیاں ان کی
پھر آرزوئیں کرو گے حیا کے آنے کی

دنیا میں کوئی لطف کرے یا جفا کرے / جب میں نہیں بلا سے مری کچھ ہوا کرے

اس جور پر وفا نہ کرے یا دغا کرے / مری جگہ نصیب سے تو ہو تو کیا کرے

آتے ہی ان کو ہوش قیامت بپا ہوئی / مانگیں تھیں کیوں دعائیں کہ یہ دن خدا کرے

کیوں اے ستم شعار یہ کہنا بھی یاد ہے / تجھ سے دغا کرے تو خدا سے دغا کرے

لذت کو عشق کے غم جاوید چاہیئے / تھوڑی سی زندگی ہے کہاں تک وفا کرے

گو وعدۂ دروغ کی بھی عہد ہوگئی / امید ہی نہیں جو کوئی التجا کرے

روزِ جزا رکیں نہ سوال وجواب میں / کچھ گفتگو ہمارے تمہارے ہوا کرے

اس التجا کے ساتھ کہا ہم نے حال دل / جیسے اخیر وقت میں کوئی دعا کرے

دل کی طرح سے جان نہ جائیگی عشق میں / پھر کچھ دغا کرے تو یہی بے وفا کرے

بیتاب زیر تیغ نہ ہو وقت امتحاں / دل کا غلام ہو جو تحمل ذرا کرے

منظور کس کو ہے جو اٹھائے بلائے عشق / جب سر پہ آپڑے تو کہو کوئی کیا کرے

تجھ کو پسند آگئی دیوانگی مری / تیری خوشی سے کام کوئی کچھ کیا کرے

دل نخل تن میں یک ثمر خوشگوار ہے / اے کاش تیغ یار ہی یہ پھل بنا کرے

معشوق بے نیاز ہے عاشق کو چاہیئے / لب سے کرے جو شکوہ تو دل سے دعا کرے

اس عشق میں کسی کا اجارہ نہیں ہے داغ

پروردگار جس کو یہ دولت عطا کرے

میرے رونے پر جو رو دیا آدمی فہمیدہ ہے / ناصح عاقل پرانا گرگ باراں دیدہ ہے

جانتے ہیں جاگنے والے فراق یار کے / فتنۂ روز قیامت فتنۂ خوابیدہ ہے

میں بھی تو دیکھوں نکلتا ہے یہ تنکا کس طرح / چارہ گر کی آنکھ میں میرا تن کاہیدہ ہے

کیا کہوں کیونکر کہوں کس سے کہوں کیا کیا کہوں / آپ کی کیا بات ہے جو بات ہے سنجیدہ ہے

تو نے رکھا ہے رقیب ترش رو کے دل پہ ہاتھ / آج کیوں پھیکا ترا دست حنا مالیدہ ہے

تیر جب بیٹھا مرے دل میں ترازو ہو گیا — اس سے یہ ظاہر ہوا قاتل بہت سنجیدہ ہے
میں تو ان باتوں کا قائل ہوں مرے خط کا جواب — جسقدر ہو مختصر ہو چیدہ ہے پیچیدہ ہے
خاک میں اسنے ملایا مجھکو یا میں نے اسے — آج میں ہوں اور یہ میرا دل تفتیدہ ہے
زہر کھا کر مل گئے ہیں خاک میں عاشق بہت — انگلیاں ہیں دیکھ تو یا سبزۂ روئیدہ ہے
خوب آتا ہے لگا لینا نگاہِ یار کو — ایک سے ان بن ہوئی تو دوسرا گرویدہ ہے
اس ستمگر نے مرے پیغامبر سے یہ کہا — مر نہیں جاتا اگر آزردہ ہو رنجیدہ ہے

پھر نظارہ چلا ہے کوچۂ قاتل میں داغ
کس بلا کا ہے کلیجہ کس غضب کا دیدہ ہے

پیامی کامیاب آئے نہ آئے — خدا جانے جواب آئے نہ آئے
ترے غمزوں کو اپنے کام سے کام — کسی کے دل کو تاب آئے نہ آئے
اسے شرمائیں گے ذکرِ عدو پر — یہ قسمت ہو حجاب آئے نہ آئے
تم آؤ جب سوار توسنِ ناز — قیامت ہمرکاب آئے نہ آئے
شمار اپنی خطاؤں کا بتا دوں — تمہیں شاید حساب آئے نہ آئے
نئے خنجر سے مجھ کو ذبح کیجے — پھر ایسی آب و تاب آئے نہ آئے
شبِ وصل عدو تیری بلا سے — کسی مضطر کو خواب آئے نہ آئے
پیوں گا آج ساقی سیر ہو کر — میسر پھر شراب آئے نہ آئے
یہ جا کر پوچھ آ تو ان سے درباں — کہ وہ خانہ خراب آئے نہ آئے

نہ دیکھو داغ کا دیوان دیکھو
سمجھ میں یہ کتاب آئے نہ آئے

بعد مردن بھی خیال رخ قاتل ہے وہی — جس سے ہم جان چراتے تھے مقابل ہے وہی
عشق کا کوئی نتیجہ نہیں جز درد و الم — لاکھ تدبیر کیا کیجئے حاصل ہے وہی

چار دن پہلے جو تقدیر میں تھا اب وہ نہیں
ہم وہی تم ہو وہی شوق وہی دل ہے وہی

خضر سے پوچھے کوئی عمر ابد کی تکلیف
زندگی نام ہے جس چیز کا قاتل ہے وہی

مر گئے خسرو جمشید سے ممسک لاکھوں
رونق ساغر و آرائش محفل ہے وہی

مانگ جائیں گے دعا ہوگی نہ کب تک مقبول
بے لیے جو کبھی ٹلتا نہ ہو سائل ہے وہی

رشک اغیار نے کیا دم میں ڈالا مجھکو
وہ ہیں پہلو میں یہ اندیشۂ باطل ہے وہی

طپش دل تہ شمشیر نہ دیکھو دیکھو
جس سے قاتل بھی تڑپ جائے یہ بسمل ہے وہی

دیکھ کر مجمع اغیار یہ ان سے پوچھا
ہم جہاں رہتے تھے دن رات یہ محفل ہے وہی

کام دنیا میں نکلتا نہیں آسانی سے
جسکو ہم سہل سمجھ لیتے ہیں مشکل ہے وہی

شور اٹھتا بن ہر مو سے انا لیلےٰ کا
قیس گر دل کو سمجھتا کہ یہ محمل ہے وہی

بارے اتنا تو مرا دھیان انھیں رہتا ہے
سب سے کہتے ہیں مرے جور کے قابل ہے وہی

بڑھ گیا سیروں لہو ان کو جو آتے دیکھا
خود نہ پہچان سکا میں کہ مرا دل ہے وہی

نام پاتے ہیں محبت میں جو مٹ جاتے ہیں
جسکے ہوتے کا گماں بھی نہ رہے دل ہے وہی

انتظار نفس باز پسیں ہے ہر دم
سر منزل ہوں مگر دوری منزل ہے وہی

حسرتوں کی ہے تباہی سی تباہی دل میں
جس جگہ قافلے لٹتے ہیں یہ منزل ہے وہی

کیا بتوں کی سی نہ حوروں میں ادائیں ہونگی
آدمی کے لیۓ جنت میں بھی مشکل ہے وہی

جو کہے داغ سیہ مست وہ لکھ لو دل پر
اس خرابات میں اک مرشد کامل ہے وہی

میری فریاد دوسرا نہ سنے
تم سنو اے بتو خدا نہ سنے

راز اپنا کبھی کہا نہ کہے
حال میرا کبھی سنا نہ سنے

خوبرو وہ جسے زمانہ کہے
گفتگو وہ جسے زمانہ سنے

غیر بھی گر کرے مری تعریف
تو بھی ہرگز وہ بے وفا نہ سنے

کیوں سنے وہ شکایت بیداد
صنعت خنجر ادا نہ سنے

اس لئے ہے پیام بر کی تلاش
مجھ سے میرا وہ مدعا نہ سنے

سن کے دشنام پی گئے ناصح
کان وہ ہے جو ناروا نہ سنے

پہلے گالی دہاں ہے پیچھے بات
اب سنے اسکو کوئی یا نہ سنے

دوستی کیا اسی کو کہتے ہیں
آشنا کی جو آشنا نہ سنے

دیدہ و دل میں اس لئے ہے فرق
ایک کا ایک ماجرا نہ سنے

کیوں نہ بنتا وہ صورت تصویر
مدعا تھا کہ مدعا نہ سنے

ہوش اڑتے ہیں دیکھ کر ان کو
ایسے دیکھے پری لقا نہ سنے

سن سکے تیرے منہ سے کیا انکار
لن ترانی کی جو صدا نہ سنے

ہجر میں جو دعائیں مانگیں ہیں
کوئی اللہ کے سوا نہ سنے

داغ کو چین ہی نہیں آتا
اس سے جبتک برا بھلا نہ سنے

فرقت کی شب یہ کام لیا دل کے داغ سے
ڈھونڈھا اجل کو تا بہ سحر اس چراغ سے

تفریح ٹپکی پڑتی ہے ان کے دماغ سے
گلگشت کر کے آئے ہیں دشمن کے باغ سے

کھاتے ہیں داغ دوست مرے دل کے داغ سے
سچ ہے چراغ ہوتا ہے روشن چراغ سے

اللہ رے غرور و نزاکت مزاج کی
اپنی بھی زلف سونگھتے ہیں کس دماغ سے

توبہ تو کر چکا ہوں مگر اب بھی شوق ہے
خالی صراحی و خم و جام و ایاغ سے

شہ رگ سے پاس اور پھر اسکا سراغ دور
ہرجائی اور پھر نہیں ملتا سراغ سے

گر بعد مرگ وسعت دل ہو نصیب میں
کنج لحد بھی کم نہو کنج فراغ سے

فرہاد و قیس ایک جنوں میں ہیں مبتلا
داماں کوہ لبتہ ہے داماں راغ سے

بوئے وفا بھی آتی تو ہوتا ہے درد سر
کیونکر نبھے گی اس بت نازک دماغ سے

پیتے ہیں زیر خاک بھی رندانِ بادہ کش
گرتی ہو جب شراب چھلک کر ایاغ سے

فریاد عندلیب کو سمجھے مری فغاں
گھبرائے منھ بنائے وہ آتے ہیں باغ سے

دل بجھ گیا ہے اسکی تجلی کے سامنے
خورشید و ماہ اختر و شمع و چراغ سے

ہر شان میں نشان ہے ہر رنگ میں ظہور
آوارہ ہیں ہواہوں کسی کے سراغ سے

ہر وقت تازہ فقرہ ہے انکی زباں پر
ہر دم نئی اترتی ہے ان کے دماغ سے

دنیا میں ایسے لوگ مصیبت زدہ کہاں
روئے ہم آج خوب گلے مل کے داغ سے

آرزو یہ ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمہارے سامنے

حشر کے دن بھی ہو شرح غم تمہارے سامنے
سب خدا کے سامنے ہوں ہم تمہارے سامنے

آہ لب پر آئے تھم کر کہ تم گھبرا نہ جاؤ
درد دل میں ہو مگر کم کم تمہارے سامنے

روبرو میرے بٹھایا جس طرح سے غیر کو
ہو یونہی اک فتنۂ عالم تمہارے سامنے

بعد میرے روئیگا سارا زمانہ دیکھنا
دھوم سے ہوگا مرا ماتم تمہارے سامنے

آئی ہو کیا مری شامت آئی ہو کیا مری موت
میں کروں اظہار درد و غم تمہارے سامنے

قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخشدو
لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

واعظو تم کو نہ ہو زندانِ جنت کا یقیں
خود کہیں گر حضرت آدم تمہارے سامنے

اک تمہاری چپ میں سو اعجاز دیکھے اے بتو!
دم بخود ہے عیسیٰ مریم تمہارے سامنے

اب یہ بیباکی ہے وہ دن بھی یاد ہیں جب چھپ گئے
آگیا جب کوئی نامحرم تمہارے سامنے

حال دل میں کچھ نہ ہو تاثیر یہ ممکن نہیں
کوئی اتنا ہو کہے ہر دم تمہارے سامنے

مجھکو اس سر کی قسم ہر دم وہی ہے اضطراب
داغ مضطر کا جو تھا عالم تمہارے سامنے

پھر کہیں چھپتی ہے ظاہر جب محبت ہو چکی
ہم بھی رسوا ہو چکے انکی بھی شہرت ہو چکی

دیکھ کر آئینہ آپ ہی آپ وہ کہنے لگے
شکل یہ پریوں کی یہ حوروں کی صورت ہو چکی

غیر کے آگے تو کی ہوگی برائی کس قدر
میرے منھ پر بارہا میری شکایت ہو چکی

مر گئے ہم مر گئے اس ظلم کی کچھ حد بھی ہے
بیوفائی ہو چکی اے بے مروت ہو چکی

کیا ہمارا جرم ٹھہرا کیا سنا عذر گناہ
وائے حسرت ایک ہی دن میں قیامت ہو چکی

کیوں ہوئے غمگیں نہ تھا کچھ مرثیہ ذکر رقیب
آؤ ملجاؤ گلے بس اب ندامت ہو چکی

کثرت ناز و ادا نے صبر کی فرصت نہ دی
دوسری برپا ہوئی جب اک قیامت ہو چکی

رنج بھی اک طرح کا ہو تو رہے کچھ دل لگی
وہ مصیبت پھر نہ آئے جو مصیبت ہو چکی

کیا مزا ہے ان کو اپنی شوخیٔ تقریر کا
جھک پڑے غیروں پہ جب مجھ پر عنایت ہو چکی

ہم بدل جائینگے کیا ہے قسمت بدل جائیگی کیا
جب نہ دنیا میں ہوئی عقبیٰ میں راحت ہو چکی

تیرے جلوے سے نہ رہ جائے کلیجا تھام کر
حشر تک انسان کی یہ تاب و طاقت ہو چکی

عہد سے ضد سے قسم سے قول سے تکرار سے
دل دیا ان کو مگر جب خوب حجت ہو چکی

ہم سے دیوانوں سے کترا کر چلے ناصح نہ کیوں
جانتا ہے وہ کہ ایسوں کو نصیحت ہو چکی

اے دل مشتاق کافی ہے سہارا اس قدر
کیا نہ ہوگا وصل جب صاحب سلامت ہو چکی

اس کی محفل میں رسائی بھی ہوئی تو کیا ہوا
ہم گئے اس وقت جب برخاست صحبت ہو چکی

اس زمیں میں شعر کہنے کا مزا پاؤگے داغ
اب تو جو ہونی تھی اے حضرت سلامت ہو چکی

گو دل آزار ہو اچھوں کا خیال اچھا ہے
سو بلاؤں سے پھر ارمان وصال اچھا ہے

یہ تری چشم فسونگر میں کمال اچھا ہے
ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے

تاک کر دل کو وہ فرماتے ہیں مال اچھا ہے
یہ خدا کی قسم انداز سوال اچھا ہے

رو سیاہی خط عارض کی مٹی پیری میں
کیا قیامت ہے کہ کافر کا مآل اچھا ہے

فکر ہے داور محشر نہ توجہ سے سنے
غیر کے نامۂ اعمال کا حال اچھا ہے

مول لے لیتے ہیں خود رنج شبِ وصل میں ہم
کثرت عیش میں تھوڑا سا ملال اچھا ہے

ننگ ہمت ہے اگر دولت کونین ملے
جو نہ پورا ہو کسی سے وہ سوال اچھا ہے

چھان لی ہم نے جہان گذراں کی گذری
سارے بازار میں اک تو ہی تو مال اچھا ہے

عوض نقل و گزک اس کو چبا لیتا ہوں
سوندھا سوندھا یہ مرا جام سفال اچھا ہے

وہ عیادت کو مری آتے ہیں لو اور سنو
آج ہی خوبیٔ تقدیر سے حال اچھا ہے

طائر قبلہ نما کو ہے حیات جاوید
زندگانی کا مزا بے پر و بال اچھا ہے

آنکھ صیاد کی لاکھوں میں پڑ گئی اس پر
آشیاں جس پہ مرا ہو وہ نہال اچھا ہے

مرض عشق کی صحت کے اٹھائے الزام
ہم مرے جاتے ہیں جس روز سے حال اچھا ہے

آ گئی غیر کے مطلب میں کہاں سے خوبی
وہ مرے دل میں ہے جو حرف سوال اچھا ہے

اور تو کیا تری تصویر بھی تجھ سے یہ کہے
واقعی مجھ سے ترا حسن و جمال اچھا ہے

بد دعا لگ گئی کیا تیرے مریض غم کی
چارہ گر مرتے ہیں بیمار کا حال اچھا ہے

گریۂ شب سے جو تاثیر کی امید بندھی
ہنس کے تقدیر پکاری کہ خیال اچھا ہے

آپ کی جس میں ہو مرضی وہ مصیبت بہتر
آپ کی جس میں خوشی ہو وہ ملال اچھا ہے

جو نگاہوں میں ادا ہو وہ جواب اولیٰ ہے
جو اشاروں میں ہو پورا وہ سوال اچھا ہے

داغ تم اور پڑھو شعر ابھی چپ نہ رہو
کہ یہاں مجمع ارباب کمال اچھا ہے

غیر کے نام سے پیغام وصال اچھا ہے
چھیڑ کا جس میں مزا ہو وہ سوال اچھا ہے

کبھی کہتا ہوں محبت کا مآل اچھا ہے
کبھی کہتا ہوں جواب ہے یہی حال اچھا ہے

یہ بھی کہتے ہو کہ بے چین کیا کس نے تجھے
یہ بھی کہتے ہو مرا حسن و جمال اچھا ہے

دل تو ہم دیں گے مگر پیشتر اتنا کہہ دو
ہجر اچھا ہے تمہارا کہ وصال اچھا ہے

یہ تو بہتر ہے کہ دنیا میں ہو عقبیٰ کا خیال
کچھ تو عقبیٰ میں بھی دنیا کا مآل اچھا ہے

یہی دولت کا مزہ ہے کہ اڑیں گل چھرے
ہاتھ آتے ہی جو اڑ جائے وہ مال اچھا ہے

صلح دشمن سے بھی کرینگے تری خاطر سے
جس طرح سے ہو غرض رنج ملال اچھا ہے

اک دکاں میں ابھی رکھ آئے ہیں ہم اپنا دل
دور سے سب کو بتاتے ہیں وہ مال اچھا ہے

کیا وہ غارت گر دیں حشر سے اڑ جائیگا
ہر مسلمان کا سنتے ہیں مآل اچھا ہے

روز بد سے نہیں تا عمر محبت میں نجات
موت جس سال میں آئے وہی سال اچھا ہے

اپنی تعریف سے چڑھتے ہو اگر جانیدو
چشم بدور ہمارا ہی جمال اچھا ہے

لوگ کہتے ہیں بھلائی کا زمانہ نہ رہا
یہ بھی کہدیں کہ برائی کا مآل اچھا ہے

رقم شوق کی تاثیر سے اڑنا بہتر
طائر نامہ رساہے پر و بال اچھا ہے

ایسے بیمار کی افسوس دوا ہو کیونکر
ابھی دم بھر میں برا ہے ابھی حال اچھا ہے

دیکھنے والوں کی حالت نہیں دیکھی جاتی
جو نہ دیکھے وہی مشتاق جمال اچھا ہے

یاد کھادو مجھے تم پاؤں کا ناخن اپنا
یا یہ کہدو مرے ناخن سے ہلال اچھا ہے

تم نہیں اور بہی دل کے طلبگار بہت
سو خریدار ہیں موجود جو مال اچھا ہے

دل میں تو خوش ہیں تسلی کو مری کہتے ہیں
آپ مرنے کے نہیں آپکا حال اچھا ہے

باغ عالم میں کوئی خاک پھلے پھولے گا
برق گرتی ہے اسی پر جو نہال اچھا ہے

عرصۂ حشر میں سب ہو گئے خواہاں اسکے
لوگ کہتے ہیں اشاروں سے یہ بال اچھا ہے

ہم سے پوچھے کوئی دنیا میں ہے کیا شے اچھی؟
رنج اچھا ہے غم اچھا ہے ملال اچھا ہے

آپ پچھتائیں نہیں جور سے توبہ نہ کریں
آپ گھبرائے نہیں داغ کا حال اچھا ہے

یوں چلے راہ شوق میں جیسے ہوا چلے
ہم بیٹھ بیٹھ کر جو چلے بھی تو کیا چلے

بیٹھے اداس اٹھے پریشاں خفا چلے
پوچھے تو کوئی آپ سے کیا آئے کیا چلے

آئیں گی ٹوٹ ٹوٹ کے قاصد پر آفتیں
غافل ادھر ادھر بھی ذرا دیکھتا چلے

ہم ساتھ ہو لیے تو کہا اس نے غیر سے
آتا ہے کون اس سے کہو یہ جدا چلے

باتیں سے میری آج وہ یہ کہکے اٹھ گئے
اس پر دوا چلے نہ کسی کی دعا چلے

موسیٰ کی طرح راہ میں پوچھے نہ راز دوست
خاموش خضر ساتھ ہمارے چلا چلے

افسانۂ رقیب بھی لو بے اثر ہوا
بگڑے جو سچ کہے سے وہاں جھوٹ کیا چلے

رکھا دل و دماغ کو تو روک تھام کر
اس عمر بے وفا پہ مرا زور کیا چلے

بیٹھا ہے اعتکاف میں کیا داغ روزہ دار
اے کاش میکدے کو یہ مرد خدا چلے

داغ اس بزم میں مہمان کہاں جاتا ہے
تیرا اللہ نگہبان کہاں جاتا ہے

غیر کا شکوہ بھی ہوتا ہے تو کس لطف کیساتھ
ان سے تعریف کا عنوان کہاں جاتا ہے

وہ بھی دن یاد ہے کہہ کہہ کے مناتے تھے مجھے
آ ادھر میں ترے قربان کہاں جاتا ہے

باغ فردوس میں حوروں نے بھی دل لوٹ لیا
جو ہے تقدیر کا نقصان کہاں جاتا ہے

پاؤں سے میرے بیابان کہاں چھٹتا ہے
ہاتھ سے میرے گریبان کہاں جاتا ہے

غیر جاتا تھا وہاں میں نے یہ کہہ کر روکا
تجھ سے کچھ جان نہ پہچان کہاں جاتا ہے

درِ فردوس سے ممکن ہے کہ درباں ٹلجائے
اسکے دروازے کا دربان کہاں جاتا ہے

ہجر کے دن کی مصیبت تو گذر جائے گی
وصل کی رات کا احسان کہاں جاتا ہے

روٹھ کر بزم سے اٹھا تو نہ روکا مجھکو
نہ کہا اس نے کہا مان کہاں جاتا ہے

بند کرتے ہو جو ہاتوں سے تم آنکھیں میری
کیا کہوں میں کہ مرا دھیان کہاں جاتا ہے

بزم سے آنکھ چرا کر جو چلا میں تو کہا
ٹھہر او چور بد اوسان کہاں جاتا ہے

آرزو وصل کی ہوتی ہے سوا بعد وصال
جان جاتی ہے یہ ارمان کہاں جاتا ہے

داغ تم نے تو بڑی دھوم سے کی تیاری
آج یہ عید کا سامان کہاں جاتا ہے

کچھ وہ سرگرم سخن نام خدا ہونے لگے
اب خدا چاہے تو مطلب بھی ادا ہونے لگے

وہ نگہ زاہد کے دل سے آشنا ہونے لگے
سیر تو جب ہے کہ دونوں میں ذرا ہونے لگے

غیر کے مذکور پر میرا اگڑنا تھا بجا
ٹھہرو ٹھہرو سنبھلو سنبھلو کیا سے کیا ہونے لگے

میں ہی چوکا میں نے ظاہر کردیئے انداز عشق
اس روش سے سیکڑوں ان پر فدا ہونے لگے

جب شب فرقت اٹھائے میں نے کچھ دست دعا
درد اٹھ کر ہاتھ شانوں سے جدا ہونے لگے

سخت گردش، ناامیدی ہم سفر منزل بعید
عاقبت تھک تھک کے نالے نارسا ہونے لگے

سلب کر لے یا الٰہی آسماں کا اختیار
جب کسی معشوق سے عہد وفا ہونے لگے

شکوہ نا آشنائی نے بڑھایا اور رشک
میری ضد سے وہ تو سب سے آشنا ہونے لگے

المدد اے ہم نشینو ابتدائے عشق ہے
اب سنبھالو ہم گرفتار بلا ہونے لگے

شکوۂ آزردگی سن کر کہا تو یہ کہا
کیا غرض کیا واسطہ ہم کیوں خفا ہونے لگے

اب گلے موقوف بس، رحم آگیا پیار آگیا
تھوڑے تھوڑے دل میں تم اے مدعا ہونے لگے

وہ قیامت کی گھڑی وہ موت کا ہے سامنا
جب کوئی معشوق سے مل کر جدا ہونے لگے

پردے پردے ہی میں بہتر ہے انسے چھیڑ چھاڑ
کیا مزہ رہ جائے جس دم برملا ہونے لگے

ہائے اسکی ذکر اس کی بیقراری اسکی یاس
خلق کے جب نامۂ اعمال وا ہونے لگے

اضطراب شوق کا عالم کہوں کیا اس گھڑی
جب کسی کافر کے وا بند قبا ہونے لگے

میہمانوں کو بلاتے ہیں خوشی کیو اسطے
تم تو آتے ہی بگڑ بیٹھے خفا ہونے لگے

غیر اچھا ہیں برائیوں ہی سہی بس چپ رہو
رفتہ رفتہ یہ نہ ہو حجت سوا ہونے لگے

داغ میں پرچا ہی لوں گا باتوں میں انھیں
شرط یہ ہے میرا ان کا سامنا ہونے لگے

لے کے دل کہتے ہو کیوں دیں اسے جلنے کیلئے
مل گیا خوب بہانا یہ مچلنے کے لیئے

باغ عالم میں ہیں سب کھولنے کھلنے کیلئے
ورنہ کیا داغ تری طرح سے جلنے کے لیے

انھیں فرصت بھی ملے گھر سے نکلنے کے لیے ۔۔۔ دو پہر چاہیے پوشاک بدلنے کے لیے

تیرا غصہ ہو کہ ہو میری طبیعت ظالم ۔۔۔ یہ بلائیں نہیں آئیں کبھی ٹلنے کے لیے

اپنی تصویر ہی وہ کاش مجھے بھجوا دیں ۔۔۔ مشغلہ چاہیے کوئی تو بہلنے کے لیے

چھیڑ کر تذکرۂ غیر کہیں کیا تجھ سے ۔۔۔ جو مزے ہم نے تری آنکھ بدلنے کے لیے

شوخی و شرم و ادائیں تری دو چھریاں ہیں ۔۔۔ ایک چلنے کے لیے ایک نہ چلنے کے لیے

آتشِ رشک عدو خاک کرے گی ہم کو ۔۔۔ لاگ کی آگ بری ہوتی ہے جلنے کے لیے

کون سی کی نہ دوا کون سی مانگی نہ دعا ۔۔۔ ہم نے کیا کیا نہ کیا اپنے سنبھلنے کے لیے

ہے یہاں تک تو اسے رشک کہ بہر تزئیں ۔۔۔ حسنِ یوسف نہ ملے رنگ بدلنے کے لیے

ہاتھا پائی بھی شبِ وصل تھی ضد بھی تھی انھیں ۔۔۔ ہاتھ چلنے کے لیے پاؤں نہ چلنے کے لیے

ابر کیا سبز کرے مجھ شجرِ سوختہ کو ۔۔۔ آبِ حیواں ہو مرے پھولنے پھلنے کے لیے

چارہ گر زندہ رہے گا تو کرے گا تدبیر ۔۔۔ چاہیے عمرِ خضر میرے سنبھلنے کے لیے

وصلِ دشمن کی گھڑی تھی کہ ہوا اپنا وصال ۔۔۔ ساعت اچھی نہ ملی جان نکلنے کے لیے

جنبشِ لب کیے دیتی ہے وہ اب ہنستے ہیں ۔۔۔ موجزن چشمۂ حیواں ہے ابلنے کے لیے

غم کی دیوار کھڑی ہو گئی دل کے اندر ۔۔۔ میرے ارمان ترستے ہیں نکلنے کے لیے

ہیں کلیجے سے ملوں سر سے ملوں دل سے ملوں ۔۔۔ اپنی تلوار مجھے دیجئے ملنے کے لیے

خاک ٹھہرے ترے کوچے میں کوئی اے قاتل ۔۔۔ مستعد نقشِ کفِ پا بھی ہے چلنے کے لیے

کھائے جاتا ہے مجھے خنجرِ خونخوار ترا ۔۔۔ یہ اگلنے کے لیے ہے کہ نگلنے کے لیے

تو مری لاش کو ٹھکرا کے چل اے مستِ شباب ۔۔۔ ٹھوکریں کھاتے ہیں انسان سنبھلنے کے لیے

بزمِ اغیار میں تم چھپ کے نہ بیٹھو اے داغ
چاند چھپنے کے لیے ہے کہ نکلنے کے لیے

کعبہ کے پہلو میں اک بتخانہ ایسا چاہیے ۔۔۔ شور اٹھے جلوۂ جانانہ ایسا چاہیے

عشق میں اے ہمت مردانہ ایسا چاہیئے
یہ کہے اپنا ہو یا بیگانہ ایسا چاہیئے

دوست کوئی عاقل و فرزانہ ایسا چاہیئے
جو کہے اس سے ستم بیجا نہ ایسا چاہیئے

دیکھنا کس لطف سے کہتا ہوں اپنی واردات
داور محشر نے افسانہ ایسا چاہیئے

دل ربا کہلائے دل آزار ایسا ڈھونڈھیئے
آشنا کہیئے جسے بیگانہ ایسا چاہیئے

ایک قطرہ بھی نہ اے ساقی ملے کم ظرف کو
انتظام بادہ و پیمانہ ایسا چاہیئے

دل مرا اہلِ وطن سے ہے بہت کھٹکا ہوا
خارِ تاک جس میں نہ ہو ویرانہ ایسا چاہیئے

مول لے کر قیس کی تصویر وہ نادم ہوئے
میں نے جب چھیڑا انہیں دیوانہ ایسا چاہیئے

اس ادا سے قتل کر تجھکو مرے سر کی قسم
سب کہیں انداز معشوقانہ ایسا چاہیئے

تیر تیرا دل میں رہ رہ کر کھنچا کس کس طرح
جو کرے دل کو دغا بیگانہ ایسا چاہیئے

دل لیا تو لے لیا جرم وفا پر آپ نے
دے سکوں جسکو نہ میں جرمانہ ایسا چاہیئے

دل جلوں کے سوز دل کا ہو اثر دونوں جگہ
گرم ہو کونین آتش خانہ ایسا چاہیئے

بے وفائی تم کرو نا آشنائی تم کرو
تم کو ایسا چاہیئے جانانہ ایسا چاہیئے

چشمِ پرخوں بیچتے ہیں ہم جو لے وہ بادہ نوش
اور کیا چاہیئے پیمانہ ایسا چاہیئے

دیکھ کر چاہت مری کہتے ہیں سب اہل نظر
گل کو بلبل شمع کو پروانہ ایسا چاہیئے

بھیس بدلے حضرتِ زاہد نہیں چوری چھپے
شہر میں پوشیدہ اک میخانہ ایسا چاہیئے

دست مژگاں سے کروں کنگھی تمہاری زلف میں
ایسے موئے عنبریں میں شانہ ایسا چاہیئے

یہ اگر نغموں سے ہو لبریز وہ نالوں سے گرم
عیش خانہ ہو کہ ماتم خانہ ایسا چاہیئے

چاہنے والوں سے کم ہوتی نہیں چاہت کبھی
چاہیئے تو چاہیئے یہ کیا نہ ایسا چاہیئے

گونج اٹھے گنبد گردوں دہل جائے زمیں
میکشوں کا نالۂ مستانہ ایسا چاہیئے

نامۂ اعمال مجھ سے چھین کر محشر میں وہ
کہتے ہیں اپنے لیئے افسانہ ایسا چاہیئے

جبر پر ہو صبر الفت میں جفا پر ہو وفا
تجھکو تو اے ہمت مردانہ ایسا چاہیئے

ہجر سے اس شمع رو کے دل جلا وقت میں بھی
جو اندھیرے میں جلے پروانہ ایسا چاہئے

طور پر ہم بھی گئے تھے کچھ نظر آتا اگر
تو یہ کہتے جلوہ جانانہ ایسا چاہئے

اس بہانے سے دکھا دیں دل کا نقشہ ہم انھیں
ہم کو اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ایسا چاہئے

خوب جی بھر کر سنا پہلے تو قصہ داغ کا
پھر کہا دل تھام کر افسانہ ایسا چاہئے

آج انکے بھید اس صورت سے ظاہر ہو گئے
غیر کا منہ کو آیا تھا کہ تر بھر ہو گئے

دیکھتے ہی شکل راز دل سے باہر ہو گئے
پھر نہ وہ ٹالے ٹلے جس بات کے سر ہو گئے

چال ان کی دیکھنا گویا بڑے مظلوم ہیں
سب سے پہلے عرصۂ محشر میں حاضر ہو گئے

وصل کی شب تھے سرائے دل میں کیا کیا ذوق و شوق
صبح کے ہوتے ہی رخصت سب مسافر ہو گئے

حضرت ناصح نے پی کر یہ اچھی چال کی
محتسب سے جا ملے رندوں کے مخبر ہو گئے

کیوں قسم کھاتے ہو اب ہمکو نہیں تمسے ملال
وہ کہے دیتی ہے چتون تم خفا پھر ہو گئے

ہم نے تو بیچے نہ دیکھے چاہنے والے ترے
رفتہ رفتہ جاں بحق سب اول آخر ہو گئے

شکوہ کرتا تو خدا جانے وہ کیا کرتے غضب
میں نے کی تعریف وہ الٹے مرے سر ہو گئے

داغ تم آئے تھے بزم عیش میں خوش خوش ابھی
کیا ہوا کس واسطے افسردہ خاطر ہو گئے

جب مئے لالہ فام ہوتی ہے
مجھ کو توبہ حرام ہوتی ہے

یہ بھی طرز خرام ہوتی ہے
ساری دنیا تمام ہوتی ہے

خوبرو وہ ہے جس کی خو اچھی
شمع صورت حرام ہوتی ہے

توڑتا ہے اسی کو وہ گلچیں
جو کلی دل کی خام ہوتی ہے

دل ہی دل میں تری رقیبوں سے
گفتگو لا کلام ہوتی ہے

صبح ہونے تو دو چلے جانا
شب کی نیت حرام ہوتی ہے

کیا خوشی ہے کہ میرے پھولوں میں — دعوت خاص و عام ہوتی ہے
حرف مطلب کہا نہیں جاتا — بات ان سے مدام ہوتی ہے
نہیں کھنچتی مجھی سے تیری شبیہہ — تجھ سے کب ہمکلام ہوتی ہے
یہ سنا ہے کہ برہمن سے بھی — شیخ کی رام رام ہوتی ہے
دم آخر تو کچھ مری سن لو — آج حجت تمام ہوتی ہے
تیرا وعدہ ہے کس قیامت کا — رات دن صبح و شام ہوتی ہے
ہجر کا دن ڈھلے تو ہم جانیں — صبح کے بعد شام ہوتی ہے
غیر جتنی بُرائی کرتے ہیں — وہ ہمارے ہی نام ہوتی ہے

پہلے اے داغ کچھ نہ ہوش آیا
دل کی اب روک تھام ہوتی ہے

شبنم سے شب ہجر کی ظلمت نہیں جاتی — سو شوب پڑیں تو بھی یہ رنگت نہیں جاتی
آئی ہوئی عاشق کی طبیعت نہیں جاتی — آتی ہے تو آکر یہ قیامت نہیں جاتی
کھاتی ہے پسِ مرگ ترے ہجر کے خنجر — دنیا سے کوئی روح سلامت نہیں جاتی
سر جاتا ہے سر سے ترا سودا نہیں جاتا — دل جاتا ہے دل سے تری الفت نہیں جاتی
اللہ سے محشر میں گنہگار ترے آگے — مجبور ہوں میں اسکی محبت نہیں جاتی
اول تو انھیں شرم رہی منھ سے نہ بولے — جب شرم گئی وصل کی حجت نہیں جاتی
اے عمر رواں اسکو بھی ہمراہ لیے جا — تو جاتی ہے دل سے مری حسرت نہیں جاتی
زاہد یہ اگر بیت ہے مسجد سے تو کیا ہے — کچھ اس سے تو میخانہ کی عظمت نہیں جاتی
ہر چند بلا ہے مگر اسمیں بھی وفا ہے — گھر غیر کے میری شب فرقت نہیں جاتی
آئینہ ہے اب رہنے لگا آپ کے آگے — کہہ سکتے ہیں منھ دیکھے کی الفت نہیں جاتی
فتنہ بھی ہے پامال تری راہ گزر میں — دو چار قدم اٹھ کے قیامت نہیں جاتی

مٹ جاتے ہیں خود خاک میں ہم فرق ہوا اتنا
دل سے تو ہمارے بھی کدورت نہیں جاتی

جاتی ہے مری جان یہ میں کہہ نہیں سکتا
جب تک کہ اسے تم دو نہ اجازت نہیں جاتی

سو جاتے ہیں اٹھ اٹھ کے جگانے سے شبِ وصل
ان نیند بھری آنکھوں کی غفلت نہیں جاتی

اے داغ بُرا مان نہ تو اس کے کہے کا
معشوق کی گالی سے تو عزت نہیں جاتی

جانے سے تو مہمان کی عزت نہیں جاتی
تو جاتی ہو یا اے شبِ فرقت نہیں جاتی

بیٹھے ہیں عجب شان سے وہ بزمِ عدو میں
ڈرتی ہو مرے ساتھ قیامت نہیں جاتی

دیگا نہ کوئی ٹھوکریں کھانے کی گواہی
ہمراہ مرے حشر میں تربت نہیں جاتی

رونے سے بھی مٹتا ہے کہیں شوقِ نظارہ
آنکھیں بھی گئیں تو بھی تو حسرت نہیں جاتی

دم بھر مرے قابو میں طبیعت نہیں آتی
اللہ کسی وقت یہ حالت نہیں جاتی

ہے وصل کے بعد ان کو گماں اور کسی کا
لو ایسی صفائی میں کدورت نہیں جاتی

وہ آکے مری قبر پہ یہ لکھ گئے مصرعہ
کافر تجھے دنیا کی محبت نہیں جاتی

فرہاد کی مرقد سے یہ آتی ہیں صدائیں
برباد کسی شخص کی محنت نہیں جاتی

اٹھتے ہیں جو عالم میں وہ مٹ جاتے ہیں فتنے
کافر تری آنکھوں کی شرارت نہیں جاتی

کیوں دخترِ رز کو نہ رہے شیخ سے پرہیز
کعبے کو بھی یہ صاحبِ حرمت نہیں جاتی

کیا دیکھ لیا عہدِ سکندر میں الٰہی
آئینے کے منہ سے کبھی حیرت نہیں جاتی

شرما کے قسم کھا کے ابھی عہد کیا تھا
پھر ظلم کیا، آپ کی عادت نہیں جاتی

کہتے ہیں مجھے دیکھ کے سب اہلِ محبت
اس طرح تو قابو سے طبیعت نہیں جاتی

غم سہتے ہیں پر لب پہ شکایت نہیں آتی
دکھ بھرتے ہیں پر تیری محبت نہیں جاتی

ہم چاہ کے پچھتائے ہیں اس پردہ نشیں کو
آنکھوں سے کسی وقت وہ صورت نہیں جاتی

وہ جور و جفا کر کے وفا کر نہیں سکتے
اس راہ سے اس راہ طبیعت نہیں جاتی

تعریف ستم سے بھی انھیں وہم بندھے ہیں — کیوں شکر کیا اس کی شکایت نہیں جاتی

اے داغ سلامت رہیں مہمان ہمارے
جو آتی ہے آفت کہ مصیبت نہیں جاتی

اس کی چتون نظر میں پھرتی ہے — اک چھری سی جگر میں پھرتی ہے
آہ ہر دم سفر میں پھرتی ہے — یہ تلاش اثر میں پھرتی ہے
نالہ کرتا ہوں تو مری آواز — گونجتی ان کے گھر میں پھرتی ہے
نہ ملا بعد مرگ بھی آرام — روح اس رہ گذر میں پھرتی ہے
وہ دم رقص گردشیں اسکی — ایک پتر کی نظر میں پھرتی ہے
نہ ملے گا وہ جستجو سے کہیں — خلق کس دردسر میں پھرتی ہے
اس کے آگے زبان مشکل سے — دہن نامہ بر میں پھرتی ہے

آمد آمد ہے آج کسکی داغ
یہ سفیدی جو گھر میں پھرتی ہے

تڑپتے ہیں انہیں غیروں کی چاہت ایسی ہوتی ہے — خدا کی شان ہے ایسوں کی حالت ایسی ہوتی ہے
جب آنکھوں سے لگاتا ہوں تو چپکے چپکے ہنس ہنس کر — تری تصویر بھی کہتی ہے صورت ایسی ہوتی ہے
کیا نظارہ بزم غیر میں اس حور طلعت کا — یہ کیا معلوم تھا دوزخ میں جنت ایسی ہوتی ہے
نہ نکلے عالم بالا تک ایسا چاند سا چہرہ — انھیں کافرتبوں میں ایک صورت ایسی ہوتی ہے
ابھی تو کھیل سمجھے ہو مگر اک دن دکھا دینگے — قیامت اسکو کہتے ہیں قیامت ایسی ہوتی ہے
ہماری شکل تیرے غم میں پہچانی نہیں جاتی — بگڑ جاتی ہے صورت بھی مصیبت ایسی ہوتی ہے
کفن سے منہ مرا جب کھولکر دیکھا تو وہ بولے — ہمارے چاہنے والوں کی صورت ایسی ہوتی ہے
کہو تو ہم نہ کہتے تھے نہ دیکھو آئینہ دیکھو — بنا دیتی ہے دم بر اچھی صورت ایسی ہوتی ہے
ترا دل سنگدل پگھلے تو جب اسکو یقیں آئے — کہ اسکی شان ایسی اسکی قدرت ایسی ہوتی ہے

بھری محفل میں غیروں سے اشاریوں مر آگے
مروت آنکھ کی اے بیمروت ایسی ہوتی ہو

وہ دیتے ہیں تسلی اور پھر تسکیں نہیں ہوتی
کبھی بیچین یہ کافر طبیعت ایسی ہوتی ہو

وہ مجھکو دیکھتے ہی دور سے منھ پھیر لیتے ہیں
جو ہوتی ہو تو اب صاحب سلامت ایسی ہوتی ہو

غضب میں جان ہو برسوں کے شکوے بھول جاتا ہوں
کبھی دو چار دن انکی عنایت ایسی ہوتی ہو

ذرا سی بات پر اے داغ تم ان سے بگڑتے ہو
اسی کا نام الفت ہے محبت ایسی ہوتی ہے

آپ کا اعتبار کون کرے
روز کا انتظار کون کرے

ذکرِ مہر و وفا تو ہم کرتے
پھر تمہیں شرمسار کون کرے

ہو جو اس چشم مست سے بیخود
پھر اسے ہوشیار کون کرے

تم تو ہو جان اک زمانے کی
جان تم پر نثار کون کرے

آفت روزگار جب تم ہو
شکوہ روزگار کون کرے

اپنی تسبیح رہنے دے زاہد
دانہ دانہ شمار کون کرے

ہجر میں زہر کھا کے مر جاؤں
موت کا انتظار کون کرے

آنکھ ہے ترک زلف ہے صیاد
دیکھیں دل کا شکار کون کرے

وعدہ کرتے نہیں یہ کہتے ہیں
تجھ کو امیدوار کون کرے

داغ کی شکل دیکھ کر بولے
ایسی صورت کو پیار کون کرے

رنج کی جب گفتگو ہونے لگی
آپ سے تم تم سے تو ہونے لگی

چاہئے پیغام بر دونوں طرف
لطف کیا جب دوبدو ہونے لگی

میری رسوائی کی نوبت آگئی
ان کی شہرت کو بکو ہونے لگی

ہے تری تصویر کتنی بے حجاب
ہر کسی کے روبرو ہونے لگی

غیر کے ہوتے بھلا اے شامِ وصل　　کیوں ہمارے روبرو ہونے لگی
ناامیدی بڑھ گئی ہے اس قدر　　آرزو کی آرزو ہونے لگی
اب کے مل کر دیکھیے کیا رنگ ہو　　پھر ہماری جستجو ہونے لگی

داغ اترائے ہوئے پھرتے ہیں آج
شاید ان کی آبرو ہونے لگی

ناروا کہیے ناسزا کہیے　　کہیے کہیے مجھے برا کہیے
تجھ کو بدعہد و بیوفا کہیے　　ایسے جھوٹے کو اور کیا کہیے
دردِ دل کا نہ کہیے یا کہیے　　جب وہ پوچھے مزاج کیا کہیے
پھر نہ رکیے جو مدعا کہیے　　ایک کے بعد دوسرا کہیے
آپ اب میرا منہ نہ کھلوائیں　　یہ نہ کہیے کہ مدعا کہیے
وہ مجھے قتل کر کے کہتے ہیں　　مانتا ہی نہ تھا یہ کیا کہیے
دل میں رکھنے کی بات ہے غمِ عشق　　اس کو ہرگز نہ برملا کہیے
تجھ کو اچھا کہا ہے کس کس نے　　کہنے والوں کو اور کیا کہیے
وہ بھی سن لیں گے یہ کبھی نہ کبھی　　حالِ دل سب سے جا بجا کہیے
مجھ کو کہیے برا نہ غیر کے ساتھ　　جو ہو کہنا جدا جدا کہیے
انتہا عشق کی خدا جانے　　دمِ آخر کو ابتدا کہیے
میرے مطلب سے کیا غرض مطلب　　آپ اپنا تو مدعا کہیے
ایسی کشتی کا ڈوبنا اچھا　　کہ جو دشمن کو ناخدا کہیے
صبر فرقت میں آ ہی جاتا ہے　　پر اسے دیر آشنا کہیے
آ گئی آپ کو مسیحائی　　مرنے والوں کو مرحبا کہیے
آپ کا خیرخواہ میرے سوا　　ہے کوئی اور دوسرا کہیے

ہاتھ رکھ کر وہ اپنے کانوں پر — مجھ سے کہتے ہیں ماجرا کہئے

ہوش جاتے رہے رقیبوں کے
داغ کو اور باوفا کہئے

شکوہ نہیں کسی کی ملاقات کا مجھے — تم جانتے ہو وہم ہے جس بات کا مجھے

جانا کہ بوئے غیر یہ پہچان جائے گا — باسی نہ اس نے ہار دیا رات کا مجھے

کوئی نہیں تو دل ہی سے باتیں ہیں رات بھر — اللہ رے شوق حرف و حکایات کا مجھے

وہ دن سے اپنے گھر گئے آئی شبِ فراق — کھٹکا لگا ہوا تھا اسی بات کا مجھے

مل کر تمام بھید کھونگار رقیب سے — آتا ہی خوب توڑ تری گھات کا مجھے

ڈرنا کسی کا اور وہ بجلی کا کوندنا — موسم بہت پسند ہے برسات کا مجھے

تدبیر سے تو موت نہ آئی شبِ فراق — ہے انتظار مرگِ مفاجات کا مجھے

وہ دن گئے کہ زہر بھی آبِ حیات تھا — ہے اب تو زہر پان ترے ہات کا مجھے

آخر وہاں رقیب نے نقشہ جما لیا
اے داغ خوف تھا اسی بدذات کا مجھے

مری ان کی بھری محفل میں ہوگی — زباں پر آئے گی جو دل میں ہوگی

نہ ہوگا کیا ہمارا کام ہوگا — نہ ہوگی کیا ادا قاتل میں ہوگی

یہی قاصد پتا ہے اس کے گھر کا — ہوا کچھ اور اس منزل میں ہوگی

جو تیرا جذب دل کامل ہوا اے قیس — تو پھر لیلیٰ کہاں محمل میں ہوگی

نہ کرتے دل لگی کیا جانتے تھے — ہماری جان اس مشکل میں ہوگی

سوال وصل پر وہ چھین لیں گے — جو نقدی کیسۂ سائل میں ہوگی

چرائے گا اسی سے آنکھ قاتل — ذرا سی جان جس بسمل میں ہوگی

عدم کو جانے والو سنتے جاؤ — یہ آسائش نہ اس منزل میں ہوگی

اگر عقبیٰ میں دنیا یاد آئے — تو مشکل اور اک مشکل میں ہوگی

نہیں شوخی سے خالی شرم اسکی — قیامت پردۂ حائل میں ہوگی

وہاں چٹکی میں جب وہ پیر لیں گے — یہاں اک گدگدی سی دلمیں ہوگی

نہ آئے داغ تو اچھا ہے ورنہ

بڑی بل چل تری محفل میں ہوگی

گرہ جو پڑ گئی رنجش میں وہ مشکل سے نکلے گی — نہ انکے دل سے نکلیگی نہ میرے دل سے نکلیگی

مرے زخموں کو تو سب دیکھتے ہیں یہ بھی سن لینگے — دعائے مغفرت جس دم لب قاتل سے نکلیگی

مجھے دیکھیں تہہ خنجر تو ہٹ جائیں تماشائی — بلا ہے وہ جو حسرت سینۂ بسمل سے نکلیگی

ادا تیری فغاں میری بھلا کب چین دیتی ہے — جگر تھامے ہوئے خلقت تری محفل سے نکلیگی

مجھے آتا ہے تم پر رحم میرا منہ نہ کھلواؤ — کلیجا توڑ دیگی وہ دعا جو دل سے نکلیگی

کسی بد خو سے ہم کہنے لگے تھے مدعا اپنا — یہ کیا معلوم تھا آواز بھی مشکل سے نکلیگی

تغافل چاہئے اے قیس تجھکو ایسے موقع پر — ابھی جھنجھلا کے لیلیٰ پردۂ محمل سے نکلیگی

نہ کرنا قتل ہم کو ورنہ حسرت داغ بن بنکر — تمہارے دلمیں بیٹھے گی ہمارے دلسے نکلیگی

نہیں دشوار کچھ اپنے مکاں سے لامکاں جانا — وہیں پہنچائیگی جو راہ جس منزل سے نکلیگی

مری کشتی اگر چھوٹے گی دریائے محبت میں — تو سب سے پہلے بسم اللہ لب ساحل سے نکلیگی

بڑی سختی سے میری جان نکلی ہے کئی دن میں — یکایک لاش کیونکر کوچۂ قاتل سے نکلیگی

چھپایا منہ اگر ہم سے تو کیا ہم مر نہ جائینگے — نگہ بجلی کی صورت پردۂ حائل سے نکلیگی

ترشتے ہیں قیامت کے غضب کے رات دن فقرے — نئی جب بات نکلیگی تری محفل سے نکلیگی

وہی دوزخ نہ مانگے جسمیں یہ بت ہونگے اے واعظ — وہاں جنت ہی جنت کیوں لب سائل سے نکلیگی

رموز عاشقی کو عاشقو تم داغ سے پوچھو

کہ باریکی میں باریکی اسی کامل سے نکلیگی

فغاں کو لاگ ٹھہری آسماں سے — اٹھا جاتا ہے پردہ درمیاں سے

تری رنجش کھلی طرزِ بیاں سے — یہ تھی دل میں تو کیوں نکلی زباں سے

نرالی ہے ادا سارے جہاں سے — کوئی پیدا کرے تجھ سا کہاں سے

گرے ہوتے اٹھ کر آستاں سے — چلے آتے ہو گھبرائے کہاں سے

عدو کی التجا کرنی پڑی ہے — مرادیں مانگتا ہوں آسماں سے

مرے تنکوں میں ہو کیا خارِ حسرت — الگ گرتی ہو بجلی آشیاں سے

نتیجہ ان کی باتوں کا یہ نکلا — کہ اپنی مدح تھی اپنی زباں سے

لگا رہتا ہے کھٹکا دونوں جانب — مزا ہے دوستی کا بدگماں سے

وہ مجھ کو دیکھ کر بولے الٰہی — بچانا اس بلائے ناگہاں سے

نہ کہئے دوست کو دشمن نہ کہئے — پرائے اپنے ہوتے ہیں زباں سے

تمہارے در پہ ہم کیونکر نہ آتے — کہ تھی صاحب سلامت پاسباں سے

شکایت راہِ الفت کی سنے کون — الگ چلتا ہوں بچ کر کارواں سے

ڈرے گا شورِ محشر سے وہ کیا خاک — تسلی جس کو ہو میری فغاں سے

وہ خط لکھیں مجھے جھوٹا ہے قاصد — خدا جانے اٹھا لایا کہاں سے

شبِ غم ہر بلا کا منتظر ہوں — نگاہیں لڑ رہی ہیں آسماں سے

زہے جادو ہوا اس کا وہی حال — جسے جو کہہ دیا تو نے زباں سے

یہ ہے کیا بات سنتے ہیں وہ اکثر — ہمارا حال دشمن کی زباں سے

تم اپنی رہ گزر سے بچتے رہنا — اٹھے گا فتنۂ محشر یہاں سے

تمہاری چشمِ فتاں نے ابھی شاگرد — بنا ڈالے ہزاروں آسماں سے

رقیب آیا ہے چھپ کر تیرے در پر — مگر الجھا ہوا ہے پاسباں سے

جہاں آباد ہر منزل ہے اے داغ — قدم باہر نکالا جب مکاں سے

ہمارے دم نکلنے میں بھی اک عالم نکلتا ہے — کہ وہ مشتاق ہیں دیکھیں تو کیونکر دم نکلتا ہے

کمی کیا پڑ گئی ہے جیا بنے والوں کی اے قاتل — کہ اب تلوار کم کھنچتی ہے خنجر کم نکلتا ہے

گلا کیسا کہاں کا رنج کس کا جاں بلب ہونا — جب اس سے پیار سے پوچھا تمہارا دم نکلتا ہے

نہ تجھ سا آج تک دیکھا نہ تجھ سا حشر تک دیکھیں — ان آنکھوں سے بہت نکلا بہت عالم نکلتا ہے

کوئی کیا چل سکے گا اس خرام ناز سے بڑھ کر — قیامت کا تمہاری ٹھوکروں میں دم نکلتا ہے

گداز غم سے میری ہڈیاں گھلتی ہیں گھل جائیں — ترا ارمان تو اے دیدۂ پرنم نکلتا ہے

تمہیں میرے مسیحا ہو تمہیں میری تمنا ہو — تمہیں پر جان جاتی ہے تمہیں پر دم نکلتا ہے

نقاب روئے روشن سے رخ پرنور کا جلوہ — جو چھن چھن کر نکلتا ہے تو یہ کیا کم نکلتا ہے

الٰہی خیر کرنا آج کوئی داغ کے گھر سے

نہ بے شیون نکلتا ہے نہ بے ماتم نکلتا ہے

زمانہ بہت بدگماں ہو رہا ہے — کسی شخص کا امتحاں ہو رہا ہے

سہانی صدائیں ہیں اس شوخ کی سی — الٰہی یہ جلسہ کہاں ہو رہا ہے

بہت حسرت آتی ہے مجھ کو یہ سن کر — کسی پر کوئی مہرباں ہو رہا ہے

ترے ظلم پنہاں ابھی کون جانے — فقط آسماں آسماں ہو رہا ہے

ان آنکھوں نے اس دل کا کیا بھید کھولا — کہ مضطر مرا رازداں ہو رہا ہے

سنوں کیا خبر جشن عشرت کا قاصد — جہاں ہو رہا ہے وہاں ہو رہا ہے

وہ حال طبیعت جو برسوں چھپایا — ہر اک شخص سے اب بیاں ہو رہا ہے

کوئی اڑ کے آیا کوئی چھپ کے آیا — پشیماں ترا پاسباں ہو رہا ہے

کہیں دو گھڑی آپ شبنم میں سو گئے — جو رخ پہ عرق در فشاں ہو رہا ہے

یہ بے ہوشیاں داغ یہ خواب غفلت

خبر بھی ہے جو کچھ وہاں ہو رہا ہے

آج گھبرا کر وہ بولے جب سنے نالے مرے
جان کے پیچھے پڑے ہیں چاہنے والے مرے

محفل دشمن سے میری پیشوائی کے لئے
جھوم کر آنا وہ تیرا ہائے متوالے مرے

خار صحرائے جنوں نے تیز کی کیا کیا زباں
پھوٹے منہ بھی کچھ نہ بولے پاؤں کے چھالے مرے

گیسوؤں پر ہاتھ رکھ کر ناز سے کہتے ہیں وہ
سامری کو بھی تو ڈس جائیں یہ دو کالے مرے

حضرت ناصح تمہاری کیا بُری ترکیب ہے
تم کوئی سانچے ہیں ڈھل سکتے تو بے ڈھالے مرے

جائیگا ہدیہ رقیبوں کے لئے چاروں طرف
میرے قاتل نے کئے ہیں چار پرکالے مرے

عشق و وحشت کی کریگا کون ایسی پرورش
ان کو چھوڑوں کس طرح یہ پڑ گئے پالے مرے

وہ عیادت کو نہ آئے داغ تو کچھ غم نہیں
اور دنیا میں بہت ہیں چاہنے والے مرے

کس وجہ سے لب پہ مرے فریاد نہ آتی
وہ چوٹ نہیں کھائی تھی جو یاد نہ آتی

جنت میں جو حوروں کو مری یاد نہ آتی
آنچل بھی تہہ خنجر بیداد نہ آتی

اے شعبدہ گر تجھکو ہزاروں ستم آتے
اک طرز دل آزاری و بیداد نہ آتی

گو جان گئی عشق میں پر نام تو پایا
کہنے میں بھی کیا محنت فرہاد نہ آتی

اس وحشت دل نے مجھے دیوانہ بنایا
ورنہ کبھی تم تک مری فریاد نہ آتی

گر باغ میں وہ خانہ برانداز نہ آتا
گھبرائی ہوئی نکہت برباد نہ آتی

قسمت سے ملا مرگ محبت کا بہانا
کیا موت تجھے اے دل ناشاد نہ آتی

اک عمر سے ہوں نغمہ سرا کنج قفس میں
اب بھی مجھے دلداری صیاد نہ آتی

مرتا مگر اس حال سے فرقت میں نہ مرتا
آتی مگر اس طرح تری یاد نہ آتی

ہے فیض الٰہی میں کمی کون سی اے داغ
کیوں جوش پہ یہ طبع خداداد نہ آتی

ہائے وہ دن کہ میسر تھی ہمیں رات نئی
روز معشوق نیا روز ملاقات نئی

بات کرتی نہیں لے لیتی ہے چٹکی دل میں — یہ تو ہے آپ کی تصویر میں اک بات نئی
دل طلب کرتے ہو مہمان بلا کر ہم کو — یہ تواضع بھی نئی ہے یہ مدارات نئی
عشق بھی کفر ہوا حضرت واعظ خاموش — آپ نے یہ تو کہی قبلۂ حاجات نئی
ہوں گے حوران بہشتی کے پرانے انداز — آپ کی بات نئی گھات نئی گات نئی
سر مرا کاٹ کے اے نامہ رساں لیتا جا — گرچہ بے کار سہی پر ہے یہ سوغات نئی
رنگ بے دیکھ کے ہم صاف بتادیتے ہیں — یہ پرانی ہے یہ ہے پیر خرابات نئی
غیر نے کی جو برائی تو بھلائی ٹھہری — یہ ملی ہے عمل بد کی مکافات نئی

داغ سا بھی کوئی شاعر ہے ذرا سچ کہنا
جس کے ہر شعر میں ترکیب نئی بات نئی

پند واعظ سنتے سنتے کان اپنے بھر گئے — کیا عبادت کو ہمیں ہیں سب فرشتے مر گئے
پھوٹ کر روئے جو چھالے ہو گئے جنگل ہرے — چشم دریا بار جب برسی تو جل تھل بھر گئے
دیکھ سکتا کیا ہمارا حال وہ نازک مزاج — آئینے میں آپ اپنی شکل سے ہم ڈر گئے
تو ہے کیا معشوق جو ہم التجا تیری کریں — تو گیا تو ہم بھی تجھ سے اے دل مضطر گئے
منھ اندھیرے مجھکو غافل دیکھکر شوخی سے وہ — چپکے اٹھ کر چل دیئے پہلو میں تکیہ دھر گئے
حال میرا پوچھ کر کیا کیا جلے دل میں رقیب — جب کہا شوخی سے اس نے انکے دشمن مر گئے
آدمی ایسا کہاں پورا فرشتہ ہو تو ہو — شیخ صاحب یہ نہیں معلوم تم کس پر گئے
فاتحہ پڑھنے بھی کوئی قبر پر آتا نہیں — مر گیا میں کیا کہ سب میری طرف سے مر گئے

داغ کے تو نام سے نفرت تھی اس بے مہر کو
پر نہیں معلوم یہ حضرت وہاں کیوں کر گئے

یہ ٹپکتا ہے تیری چتون سے — کہ اشارے ہوئے ہیں دشمن سے
آنکھیں پھوٹیں جو کچھ بھی دیکھا ہو — ابھی آتا ہوں دشت ایمن سے

چوس کردہ لب مسی آلود ‏ ‏ آج میں ہم زباں ہوں سوسن سے
ہوں وہ بے تاب کیا عجب پس مرگ ‏ ‏ نکلے سیماب میرے مدفن سے
خاک میری اڑائی ہے اس نے ‏ ‏ بچ کے چلنا تم اپنے دامن سے
ہائے مجبوریاں محبت کی ‏ ‏ حال کہنا پڑا ہے دشمن سے
آسماں کس طرح سنے فریاد ‏ ‏ کان بہرے ہیں میرے شیون سے
دل ناداں سے میں نہایت تنگ ‏ ‏ اور تم اپنی چشم پرفن سے

ساعت وصل کے لیئے اے داغ
پوچھتے رہتے ہیں برہمن سے

ملتے ہی بیباک تھی وہ آنکھ شرمائی ہوئی ‏ ‏ پھر گئی چھپتا کے پلکوں تک حیا آئی ہوئی
ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی ‏ ‏ اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی
ہائے دنیا تو کہاں وہ عیب پوشی اب کہاں ‏ ‏ عرصۂ محشر میں رسوائی سی رسوائی ہوئی
مجلس اہل عزا میں وہ بھی روتے ہیں خوش ‏ ‏ دو گھڑی کو یہ بھی ان کی محفل آرائی ہوئی
آسماں نے خاک کی چٹکی ہر اک فتنے کو دی ‏ ‏ میری تربت ہے یہ کن قدموں کی ٹھکرائی ہوئی
مجھکو یہ دعویٰ کوئی تیرے سوا دل میں نہیں ‏ ‏ اس کا یہ الزام اچھی قید تنہائی ہوئی
ٹوک کر رستے میں پیار آہی گیا اس شوخ پر ‏ ‏ وہ نظر حیرت زدہ وہ آنکھ شرمائی ہوئی
تازہ غم کھایا کئے ہم وہ ہیں پاکیزہ مزاج ‏ ‏ اور تم کھاتے رہے جھوٹی قسم کھائی ہوئی
بھولے بنکر اسکے منھ سے سن لیا حال رقیب ‏ ‏ عمر بھر میں ایک ہی تو ہم سے دانائی ہوئی
اُن کی مٹھی میں جو دل تڑپا دبا کر یہ کہا ‏ ‏ چھوٹتی ہو کوئی ایسی چیز ہاتھ آئی ہوئی
بوسے لے کر جان ڈالی غیر کی تصویر میں ‏ ‏ یہ نیا اعجاز یہ اچھی مسیحائی ہوئی

دیکھ کر قاتل کی آمد داغ دل میں شاد شاد
اور غم خواروں کے منھ پر مردنی چھائی ہوئی

کس دل بیتاب کی یارب تماشائی ہوئی
وہ نگاہ شوخ کچھ پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

اڑ گئی گم ہو گئی جاتی رہی آئی ہوئی
بے وفا تیری وفا میری شکیبائی ہوئی

لیں قیامت نے بلائیں اس سراپا ناز کی
صدقے رعنائی ہوئی قرباں زیبائی ہوئی

بتکدے میں سجدہ کرنا کفر اے واعظ نہیں
گر نہیں مقبول اپنی جبہہ فرسائی ہوئی

چوٹ کھائی عشق کی دل نے جگر تڑپا کیا
دوسرے پر آئے کیونکر ایک کی آئی ہوئی

موت سے ہے روح ترساں موت میرے حال سے
یہ بھی گھبرائی ہوئی اور وہ بھی گھبرائی ہوئی

توبہ کر زاہد کروں میں توبہ ایسے وقت میں
یہ بہار آئی ہوئی ایسی گھٹا چھائی ہوئی

یہ ملا ذکر قیامت پر قیامت کا جواب
کیا اٹھیگی وہ ہماری ٹھوکریں کھائی ہوئی

آگیا جب کوئی کر لیں چار باتیں اس سے بھی
ورنہ پھر سر پیٹنا جس وقت تنہائی ہوئی

یہ ٹپکتا ہے تری زلف سیہ کے رنگ سے
آجکل میں اک نہ اک کے سر یہ سودائی ہوئی

ہے عجب اندھیر کوئی داغ کا پرساں نہیں
صبح محشر بھی ابھی شام تنہائی ہوئی

میری قسمت کی طرح رہتی ہے بل کھائی ہوئی
زلف پر بھی کیا ہے سختی کی گرہ آئی ہوئی

جب ترے در سے پھرا خلقت تماشائی ہوئی
پیچھے پیچھے داغ آگے آگے رسوائی ہوئی

کاتب اعمال سے ضد تھی دم تحریر شوق
انگلیاں گھس گھس گئیں وہ خامہ فرسائی ہوئی

دوست دشمن کو بنایا ہے ترے انداز نے
سب کو پہچانا اگر تجھ سے شناسائی ہوئی

اے ہجوم ناامیدی رکھ لے شرم آرزو
گوشۂ دل میں الگ بیٹھی ہے شرمائی ہوئی

جان کر پہچان کر انجان جب کوئی بنے
پھر نہ ہونے کے برابر وہ شناسائی ہوئی

کیا قسم کھا کر ہوا ہے منفعل پیغام بر
تاڑ لی اس نکتہ چیں نے بات سمجھائی ہوئی

ضعف نے ایسا بٹھایا اسکی بزم ناز میں
میں نے یہ جانا مجھے حاصل شکیبائی ہوئی

کس بلا میں مبتلا رہتی ہے دن بھر شام غم
دوڑ کر آتی ہے مرے گھر جو گھبرائی ہوئی

آفتاب داغ

بھولی صورت پر تری تصویر میں یہ بانکپن لب پہ ظاہر ہے تبسم دل میں اترائی ہوئی

چل دیا اے داغ گیا منھ پھیر کردہ نہ جبیں
پھر گئی تقدیر تیری سامنے آئی ہوئی

ختم شد

